جلد ۸
شمارہ ۱۳

کراچی: ہفتہ ۳۰ اپریل ۱۹۵۵ء

قیمت چار آن
سالانہ دس رو

قرآن نے کیا کہا؟

آپ کسی مسلمان سے پوچھئے ۔ وہ کہدیگا کہ الحمد للہ ۔ وہ مسلمان ہے ۔ مومن ہے ۔ خدا کی توحید کا قائل ہے ۔ اس کے برعکس مشرک وہ ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں ۔ جو ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں ۔ جو اپنے نبیوں کو خدا کا اوتار سمجھتے ہیں ۔ لیکن خدا کا ارشاد ہے کہ وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون (۱۲/۱۰۶) اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ اس کے ساتھ ہی مشرک بھی رہتے ہیں ۔

ذرا اپنے سینے کو ٹٹولئے اور سوچئے کہ کہیں (خدا نکردہ) آپ بھی اسی زمرہ میں تو شامل نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ بھی ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ شرک کے مرتکب ہو رہے ہوں اور آپ کو اس کا شعور تک بھی نہ ہو کہ آپ شرک کر رہے ہیں؟ لیکن اس کا پتہ آپ کو صرف اسی صورت میں چل سکے گا جب آپ اپنے ایمان کو قرآن کی روشنی میں پرکھیں ۔

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱ تنہا انسانی عقل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں ۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ۔

۲ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے ۔ اس لئے نوع انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی ۔

۳ حق اور باطل کا معیار قرآن ہے ۔ جو روایات قرآن کے مطابق ہوں صحیح ہیں جو اس کے خلاف ہیں غلط ہیں ۔

۴ حضور نبی اکرمؐ انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن بعض سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر رکھی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے ۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں ۔ حضورؐ کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے ۔

۵ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں ۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے ۔

۶ اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں ۔ (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے ۔

۷ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا (اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے)

۸ ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے (قرآن کی رو سے) ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہو سکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے ۔ اسے "قرآنی نظام ربوبیت" کہا جاتا ہے ۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

اسلامی پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی ذاتی جوہری صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ اشتراکیت اور اسلام ★ صالحین کے انداز ★ ٹیونس کی آزادی ★ افغانستان
★ تمنائے رسول اور القائے شیطان ★ جاحظ ★ عورت کا قرآن ★ تاریخی شواہد
★ اسلام کی سرگزشت ★ نقد و نظر ★ بزم طلوع اسلام ★ ہندوؤں کا انخلاء

تازہ پیشکش

٭ اقبال اور قرآن

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام کے متعلق

محترم پرویز صاحب

کے دلکش مضامین اور انقلاب آفریں تقاریر کا مجموعہ۔

اقبال کے سمجھنے کے لئے

اس سے بہتر کتاب آپکو بمشکل مل سکیگی۔

ضخامت اڑھائی سو صفحات سے زیادہ۔

قیمت ڈسٹ کور کے ساتھ صرف دو روپے علاوہ محصول ڈاک۔

جن حضرات کی پیشگی رقم جمع ہے انہیں کتاب از خود بھیجدی جائیگی۔

اگر وہ کتاب نہ لینا چاہیں تو اسکی بابت جلد اطلاع دیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔کراچی۔۳

ہفتہ وار
طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ۳۰؍اپریل ۱۹۵۵ء | نمبر ۱۳

اشتراکیت اور اسلام

باطل کے مقابلہ میں حق کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ باطل اپنی کامیابی کے لئے ہمیشہ حق کا نقاب اوڑھ کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ سے کسی بات کا وعدہ کرے اور ساتھ ہی یہ کہدے کہ وہ جھوٹا وعدہ کر رہا ہے تو آپ اسکی فریب میں کبھی نہیں آئیں گے۔ وہ اپنی فریب دہی میں اس وقت کامیاب ہوسکے گا جب وہ وعدہ کرنے کے ساتھ ہی یقین دلادے کہ وہ بالکل سچا وعدہ کر رہا ہے اور قطعاً جھوٹ نہیں کہتا۔ یعنی جب تک وہ اپنے جھوٹ کو سچ کے نقاب میں پیش کرے اس کا جھوٹ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ باطل کے مقابلہ میں بے شک یہ حق کی بڑی فتح ہے لیکن باطل کی یہی روش دنیا میں تباہیوں اور بربادیوں کا موجب بھی ہے۔ آپ دھوکا اس وقت کھاتے ہیں جب آپ کو یقین ہو کہ آپ کے ساتھ دھوکا نہیں کیا جارہا۔ یعنی آپ باطل کے زہر کو اس وقت کھا سکتے ہیں جب وہ حق کی شکر میں لپٹا ہوا سامنے آئے۔ یوں تو باطل کا یہ حربہ کاروانِ انسانیت کے لئے قدم قدم پر رہزنی اور قزاقی کا موجب بنتا رہا ہے لیکن عصرِ حاضر میں اس کی غارت گری اور ہلاکت انگیزی نے جو شدت اور وسعت اختیار کی ہے اس کی مثال تاریخ کے اوراق میں کہیں نہیں ملتی۔

وحیِ خداوندی نے انسان کو یہ بتایا تھا کہ

(۱) انسان کے ہر ارادہ اور ہر عمل کا ایک خاص اثر اور نتیجہ ہوتا ہے، جو ہر حال میں مرتب ہو کر رہتا ہے اور اس سے اسکی ذات متاثر ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر، ہر عمل ایک مستقل قدر (VALUE) رکھتا ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

(۲) انسان کی زندگی اس دنیا تک محدود نہیں۔ اس کا سلسلہ اس سے بھی آگے جاری رہتا ہے۔ اس لئے اعمال کے نتائج و اثرات کا سلسلہ بھی حال اور مستقبل دونوں کو محیط ہوتا ہے۔ انسان ان اثرات سے کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا

(۳) یہ سب کچھ خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے جس پر کوئی قوت غالب نہیں آسکتی۔ اس تصورِ حیات کا نام وحی کی اصطلاح میں ایمان باللہ و ایمان بالآخرۃ ہے۔

اس کے برعکس انسانی ذہن نے ایک تصور پیدا کیا جس کی رُو سے کہا گیا کہ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ (۲۳/۳۷) زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ لوگ مرتے ہیں اور نئے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ سلسلۂ حیات و ممات بس اس دائرے کے اندر ہے۔ اس کے بعد زندگی کا تصور غلط ہے۔ اسی بنیاد پر انہوں نے یہ عمارت استوار کر لی کہ جس کام میں انسان کا اپنا فائدہ ہو وہ اچھا ہے۔ جس میں اس کا نقصان ہو وہ بُرا ہے۔ اس لئے خیر اور شر کا کوئی مستقل معیار نہیں، بالفاظِ دیگر کوئی عمل اپنی ذات میں کوئی مستقل اور غیر متبدل قدر نہیں رکھتا۔ سب اقدار اضافی ہیں۔ اپنے فائدہ یا نقصان کو اعمال کا نتیجہ کہا جاتا ہے۔ انسان جس قدر زیرک و چالاک، اور صاحبِ قوت و اقتدار ہو وہ اسی قدر اپنے اعمال کو اپنے حق میں فائدہ مند بنا سکتا ہے۔ انسان پر گرفت صرف معاشی کی ہے۔ اس سے آگے کوئی اور قوت نہیں جس پر انسان کی گرفت ہو۔ اس تصورِ حیات کو مادی تصور (MATERIALISTIC CONCEPT OF LIFE) کہا جاتا ہے۔ گذشتہ ادوار میں یہ تصور افراد تک محدود رہتا تھا یا بعض مفکرین کے حجلۂ دماغ تک۔ لیکن ہمارے دور میں (جس کی ابتدا یوں سمجھئے کہ انیسویں صدی سے ہوتی ہے) اس تصور نے ایک اجتماعی شکل اختیار کی اور ایک پوری تہذیب کی عمارت انہی بنیادوں پر اٹھائی گئی۔ اس تہذیب کو تہذیبِ مغرب کہہ کر پکارا جاتا ہے، کیونکہ اس کی ابتدا یورپ کی سرزمین سے ہوئی تھی۔ چونکہ دنیا کے بیشتر حصہ پر مغربی اقوام کو سیاسی غلبہ حاصل تھا اس لئے اس تہذیب کا اثر عالمگیر ہوتا چلا گیا اور قریب قریب تمام اقوامِ عالم اس رنگ میں رنگی گئیں لیکن اس کا سحر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ اس لئے کہ دنیا نے جلد ہی دیکھ لیا کہ اس کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ

اُمتے بر اُمتے دیگر چرد
دانۂ ایں می کارد آں حاصل بُرد

زبردست قومیں، زیردست قوموں کو نگلے جارہی ہیں۔ جھوٹ اور فریب کا چلن عام ہو رہا ہے۔ دولت سمٹ کر ایک خاص (بالائی) طبقہ کے ہاتھ میں آرہی ہے۔ غریب بُری طرح سے کچلے جارہے ہیں۔ کمزور اور ناتوان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ اس لئے لوگ اس تہذیب (یا مادی تصورِ حیات) سے متنفر ہونے شروع ہوگئے اور اس پر سخت تنقیدی نگاہیں پڑنے لگیں۔ ان کڑی تنقیدوں سے باطل نے محسوس کیا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے۔ اُسے اس طرح بے نقاب سامنے نہیں آنا چاہیئے تھا۔ حق کے نقاب میں ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔ چنانچہ اس نے اس قسم کا نقاب بننا شروع کر دیا۔

یہ نقاب اس قسم کے نعروں پر مشتمل تھا کہ دنیا میں تمام خرابیوں کی جڑ سرمایہ پرستی ہے۔ دولت کا چند افراد کے ہاتھوں میں محدود ہو جانا، نوعِ انسانی کے لئے موجبِ ہلاکت ہے۔ معاشرہ کا صحیح نقشہ یہ ہے کہ غریبوں اور کمزوروں، مزدوروں اور محنت کشوں کو خاک کی پستیوں سے اٹھا کر بلند ترین سطح پر بٹھایا جائے۔ اس نقاب پوش مادہ پرستی یا (SUGAR-COATED) تہذیبِ مغرب کا نام اشتراکیت یا کمیونزم ہے۔ اس میں تصورِ حیات حرفاً حرفاً وہی ہے جو مغرب کے نظامِ سرمایہ پرستی نے پیدا کیا تھا اور جس پر اس کی ساری عمارت استوار ہے۔ یعنی

(۱) زندگی بس اس زندگی کا نام ہے۔ اس سے آگے کوئی زندگی نہیں۔

(۲) اعمال فی ذاتہٖ کوئی مستقل اقدار نہیں رکھتے۔

(۳) انسان پر انسان سے اوپر کسی قوت کی گرفت نہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ جہاں تک فلسفۂ زندگی یا تصورِ حیات کا تعلق ہے (جسے وحی کی اصطلاح میں ایمانیات کہتے ہیں) مغرب کے نظامِ سرمایہ داری اور روس کی کمیونزم میں کوئی فرق نہیں۔ اس اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ فرق صرف ان کے معاشی نظام میں ہے۔ کمیونسٹوں کی ٹکنیک یہ ہے کہ وہ اس بنیادی تصورِ حیات یا فلسفۂ زندگی کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔ صرف اپنے معاشی نظام کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں اور چونکہ یہ معاشی نظام ایسا ہے جو ہر اس شخص کے نزدیک باعثِ خیر و برکت ہے جس کے دل میں انسانیت کا ذرا سا بھی درد ہے (اور وحیِ خداوندی چونکہ انسانیت کا سب سے بڑا بہی خواہ ہے۔ اس لئے اس نے خود اس قسم کا معاشی نظام تجویز کیا ہے) اس لئے ہر شخص ان کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس طرف اس کی نگاہ ہی نہیں جانے پاتی کہ یہی تصورِ حیات کا پرچار ہے جس سے متنفر ہو کر اس نے سلامتی کا کوئی اور راستہ تلاش

کرنا چاہتا تھا۔

ان تصریحات سے آپ نے دیکھا ہوگا کہ اشتراکیت درحقیقت باطل کے اس دیرینہ حربہ کی ایک شکل ہے جس کی رو سے حق کے نقاب میں وہ سامنے آیا کرتا ہے۔ سطح بین لوگ کمیونسٹوں سے ان کے معاشی نظام (یعنی نقاب) سے بحث کرتے ہیں اور شکست کھا جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا نقاب مبنی علی الحق ہے۔ درحقیقت زیر بحث لانے کی چیز وہ فلسفۂ زندگی یا تصور حیات ہے جس پر ان کی تحریک کی بنیاد ہے۔ یہ تصور حیات، اسلام کی یکسر نقیض ہے اور کوئی شخص بیک وقت اسلام کے تصور حیات (ایمان) کا معترف اور کمیونزم کے مسلک کا مؤید نہیں ہو سکتا۔ نہ صرف کمیونزم کا، بلکہ مغرب کے مادی تصور حیات کا مؤید، جس کے علمبردار، یورپ اور امریکہ سب ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا۔

کمیونسٹوں کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کمیونزم کے فلسفۂ زندگی پر بحث کیوں کرتے ہیں؟ آپ اس کی طرف سے پیش کردہ نظام کو دیکھیں۔ اگر وہ نظام آپ کو صحیح نظر آتا ہے تو آپ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ یہ بھی درحقیقت باطل کی نگاہ فریبی ہے۔ اسلام کی رو سے کسی معاشی، سیاسی یا عمرانی نظام کو فلسفۂ زندگی سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "عمل بلا ایمان" کو کوئی وقعت نہیں دیتا اور ہمیشہ "ایمان اور عمل" کو یکجا رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ آپ کمیونزم کے فلسفۂ حیات کو تسلیم نہ کریں اور محض اس کے معاشی نظام کے لئے کمیونسٹ ہو جائیں۔ اسی سے اس بات کا جواب بھی مل جاتا ہے جو کمیونسٹوں کی طرف سے کہی جاتی ہے کہ بانیان اشتراکیت (مارکس، انجلز وغیرہ) نے فریب دہی کی خاطر اس تحریک کو پیش نہیں کیا تھا۔ ان کے دل میں انسانیت کا درد اور غریبوں کی ہمدردی کا جذبہ موجزن تھا جس سے انہوں نے نظام سرمایہ داری کو توڑنا چاہا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کا جذبۂ محرکہ یہی ہو (اور جب تک اس کے خلاف بین شواہد نہ ہوں ہمیں اس کے اعتراف میں کوئی باک نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کا جذبۂ محرکہ ایسا ہی تھا)۔ لیکن غلط فلسفۂ زندگی تو بہرحال غلط رہتا ہے خواہ اسے قبول اور پیش کرنے والوں کی نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو۔ دنیا میں کتنی ہی گمراہیاں ہیں جو نیک نیت انسانوں کی طرف سے پھیلائی ہوئی ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے (مارکس کے متعلق) کہا ہے کہ

زانکہ باطل درحق او مضمر است
قلب او مومن دماغش کافر است

علاوہ بریں قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ صحیح معاشی نظام، غلط تصور حیات کی بنیادوں پر کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ مارکس کی غلط نگہی یہ تھی کہ وہ ایک ایسے معاشی نظام کو جس میں نوع انسانی کی بھلائی ہو، اس مادی فلسفۂ زندگی کی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا تھا جس میں نوع انسانی کی بھلائی کی صلاحیت ہی نہیں۔ بہرحال ان حضرات کی نیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، یہ حقیقت ہے کہ کمیونزم کا فلسفۂ زندگی (جسے اس کے نظام سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا)، اسلام کے یکسر خلاف ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہی وہ تحریک ہے جو اسلام کے مقابلہ میں ایک دین (نظام زندگی) کی حیثیت سے اٹھی ہے۔ اس لئے ہر اس شخص کے لئے جس کے دل میں اسلام کا احترام (بلکہ نوع انسانی کی بہبود کا جذبہ) ہے ضروری ہے کہ وہ اس تحریک کا ہر طرح سے مقابلہ کرے۔ اگر خدانخواستہ یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو (مسلمان تو ایک طرف) انسانیت کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہے گی اور دنیا پھر ازمنہ مظلمہ (DARK AGES) کی انسانیت سوز غلامی کی طرف لوٹ جائے گی (یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیا)۔

اب سوال یہ ہے کہ جب کمیونزم اسلام کی یکسر نقیض ہے اور اس کے ساتھ ہی اسلام ایک ایسا نظام بھی قائم کرنا چاہتا ہے جس سے سرمایہ پرستی کی لعنت ختم ہو، تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس کا طریقہ ہے قرآنی نظام ربوبیت کا قیام جس کی تفصیل آئندہ اشاعت میں پیش کی جائے گی۔

"صالحین" کے انداز

۲۰ اپریل کے طلوع اسلام میں ہم نے "قرآن اور حدیث کی صحیح پوزیشن" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا جس میں تصریح کر دی گئی تھی کہ مضمون، مودودی صاحب کی مختلف تحریروں سے مرتب کیا گیا ہے۔ ہر تحریر کے ساتھ حوالہ بھی دیدیا گیا تھا کہ اقتباس کہاں سے لیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی پر یہ ضرب اتنی کاری پڑی کہ وہ بالکل سٹ پٹا گئے۔ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ اب وہ ہر جگہ کہتے پھرتے ہیں کہ یہ مضمون مختلف تحریروں سے مرتب کیا گیا ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کسی کی مختلف تحریروں سے مضمون مرتب کرنا کونسا جرم ہے جس کا ارتکاب طلوع اسلام سے ہوا ہے۔ جرم یہ ہوتا ہے کہ کسی کی تحریر سے کوئی ٹکڑا اس طرح سیاق و سباق سے الگ کر لیا جائے کہ اس سے اس کا مفہوم ہی بدل جائے۔ ہم جماعت اسلامی کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ مذکورہ صدر مضمون کے کسی مضمون کے متعلق یہ ثابت کریں کہ اگر اسے اصل تحریر کے اندر رکھ کر پڑھا جائے تو اس کا مطلب کچھ اور ہوگا۔ اگر وہ کسی ایک ٹکڑے کے متعلق بھی یہ ثابت کر دیں تو طلوع اسلام اپنی غلطی کا کھلے بندوں اعتراف کرے گا اور ان سے اور مودودی صاحب سے اپنے قصور کی معافی مانگ لے گا۔

اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں (اور وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے) تو ہم ان سے دریافت کرنا چاہیں گے کہ وہ سادہ لوح مسلمان کو بالآخر کب تک دھوکا دیتے چلے جائیں گے۔ مودودی صاحب کے متعلق اس سے پیشتر، مولانا ظفر احمد عثمانی، صدر جمعیت علمائے پاکستان، فتویٰ دے چکے ہیں کہ

یہ شخص منکر حدیث ہے۔ گمراہ اور مبتدع ہے۔ ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیئے اور اس کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کو جاہل اجہل سمجھنا چاہیئے۔

آپ نے ان "صالحین" سے کبھی اس فتوے کے متعلق ایک حرف بھی سنا ہے؟ یہ ہے ان کی فریب دہی کا عالم!

چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

ٹیونس کی داخلی آزادی

کم و بیش ستر سال کے دور غلامی میں ٹیونس عظیم الشان ابتلا سے دوچار رہا ہے۔ فرانس اس سارے دوران میں اس کا جذبۂ آزادی کچلنے میں دیوانہ وار مصروف رہا۔ لیکن اگر اس کا جور و استبداد وقت گزرنے سے بڑھتا گیا تو اہل ٹیونس کا جوش آزادی بھی اسی تناسب سے بے پناہ ہوتا گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ دہشت اور تشدد کا شکار رہنے کے باوصف ٹیونس کے مطالبات میں انتہا پسندی نہیں آئی اور وہ بڑے ضبط و تحمل اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے داخلی آزادی کے لئے کوشاں رہا۔ اس کے آزادی پسندوں نے فرانس کو ہمیشہ یقین دلایا کہ وہ اس سے کٹ کر علیحدہ ہو جانے پر زور نہیں دے رہے بلکہ محض اندرون ملک خود مختاری کے طلبگار ہیں، نیز مطلوبہ اختیارات میسر آجانے پر وہ فرانس کے حلیف رہیں گے اور فرانس کے خصوصی حقوق کا پورا پورا تحفظ کریں گے۔ لیکن فرانس کی حکومتیں یکے بعد دیگرے اس مخلصانہ پیشکش کو ٹھکراتی رہیں جس سے ملک میں دہشت انگیزی اور انتہا پسندی کو فروغ ہونا شروع ہو گیا۔

خدا خدا کر کے گذشتہ جولائی میں فرانس کے تیور بدلے اور اس نے ٹیونس کو داخلی آزادی کی پیشکش کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ آٹھ سال کی ناکام جنگ کے بعد فرانس ہندچینی میں ہتھیار ڈال چکا تھا۔ اس وقت کے وزیراعظم، مسٹر مینڈس فرانس، نے بڑی جرأت اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے باغیوں سے مفاہمت کر کے فرانس کو تباہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ ہندچینی میں امن کی فضا پیدا کرنے کے بعد مینڈس فرانس نے مغرب اقصیٰ کی طرف توجہ دی اور ٹیونس کے لئے داخلی آزادی کا اعلان کیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ حکومت خالصتاً اہل ٹیونس کی مرتب کی جائے جسے داخلی امور پر اختیار حاصل ہو اور دفاع اور امور خارجہ فرانس کے قبضے میں رہیں۔ اس پیشکش کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ٹیونس میں ہر قسم کے مظاہرے روک دیئے گئے۔ ٹیونسی وزیراعظم، ابن عمر، نے پیرس میں فرانسیسی حکومت سے مذاکرات کی طرح ڈالی۔ حکومت فرانس نے بڑی دانشمندی سے نو دستور نظر بند لیڈر، حبیب بورقیبہ، کو پیرس منتقل کر دیا اور ان سے بھی استصواب کیا۔ بورقیبہ نے اس تجویز کو بہ نظر استحسان دیکھا اور اس خیرسگالی کی فضا کو تقویت دی۔

لیکن مذاکرات شروع ہوئے تو بہت جلد یہ حقیقت سامنے آگئی کہ ٹیونس میں آبادکار فرانسیسیوں کا بااثر طبقہ حکومت پر دباؤ ڈال کر مذاکرات کو ناکام بنا دینا چاہتا ہے۔ اسی دباؤ کا نتیجہ تھا کہ فرانسیسی نمائندوں نے ٹیونس کو پولیس پر اختیار دینے سے انکار کر دیا۔ حبیب بورقیبہ نے اسے داخلی آزادی کے منافی قرار دیا اور اس طرح مذاکرات میں تعطل پیدا ہو گیا۔ فرانسیسی آبادکاروں کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا کہ اس مسئلہ پر

باؤ خر مینڈس فرانس کی حکومت کو شکست ہو گئی۔ اس شکست سے ٹیونس میں بجا طور پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ ان مذاکرات سے اقل قلیل مطالبہ کی تکمیل کی جو امید پہلی بار پیدا ہوئی تھی وہ بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اس مایوسی کے عالم میں فرانس کی نئی حکومت مسٹر فارسے کی قیادت میں معرض وجود میں آئی اور اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مذاکرات کا سلسلہ از سر نو شروع کر دیا۔ اب تازہ ترین اطلاع سے پتہ چلتا ہے کہ مذاکرات کا یہ سلسلہ کامیاب ہو گیا ہے اور فرانس اور ٹیونس میں آخر الذکر کی داخلی آزادی سے متعلق تصفیہ ہو گیا ہے۔ اس تصفیہ کی تفاصیل ابھی شائع نہیں ہوئیں - ان کے مکمل تعین میں ہنوز وقت لگے گا۔ پوری تفاصیل رمضان کے بعد طے ہوں گی۔ پھر وہ دونوں حکومتوں کی تصدیق کے لئے پیش ہوں گی اور آخر کار فرانسیسی پارلیمان کی منظوری کے بعد نافذ العمل ہوں گی۔

تفاصیل کے بغیر معاہدہ کے حسن و قبح پر تبصرہ ممکن نہیں۔ لیکن چونکہ ٹیونس کے قائد حریت، حبیب بورقیبہ، نے اسے سراہتے ہوئے فرانس اور ٹیونس کے مابین دوستی کے نئے دور کے آغاز سے یاد کیا ہے، اس لئے توقع کی جاسکتی ہے کہ معاہدہ بالعموم ٹیونس کے مطالبات کے مطابق ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ بورقیبہ جو گذشتہ دو سال سے نظر بند تھے، تمام قیود سے آزاد کر دیئے گئے ہیں۔ وہ اب چاہیں تو ٹیونس واپس بھی آسکتے ہیں۔ بورقیبہ کی رہائی ٹیونس اور فرانس دونوں کے لئے عمدہ نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے بے پناہ اثر و رسوخ سے کام لے کر دوستانہ فضا کو مستحکم تر بنانے میں بڑی مدد دیں گے۔

اس معاہدے پر جس قدر بھی مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ ٹیونس نئے حقوق حاصل کر کے یکسوئی سے اپنے مستقبل کی فکر کر سکے گا اور اس کی قوت فرانس سے لڑنے کی بجائے اپنی تعمیر و ترقی پر صرف ہو سکے گی۔ لیکن ہنوز یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ معاہدہ بخیر و خوبی نافذ العمل ہو جائے گا۔ فرانسیسی آباد کار، جن کے اجاروں پر اس معاہدہ کی زد پڑتی ہے، اس کے شدید مخالف ہیں۔ وہی آج تک مذاکرات صلح کو ناکام بناتے چلے آئے ہیں۔ آخری مرتبہ وہ مینڈس فرانس کی حکومت تک الٹنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ چونکہ ان کا پارلیمان میں بہت اثر ہے اس لئے کہا نہیں جاسکتا کہ پارلیمانی تصدیق بآسانی ہو جائے گی۔ اگر خدا نخواستہ وہ ایک مرتبہ پھر کامیاب ہو گئے تو اس کی جو فضا گذشتہ آٹھ مہینے سے پیدا ہو چکی ہے وہ تباہ ہو جائے گی، اس کا نتیجہ خود فرانس کے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔ فرانس اپنی داخلی کمزوری کی بدولت سمندر پار کے ممالک کو اپنے پنجۂ اقتدار میں رکھ نہیں سکتا۔ اس کے لئے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ وہ ممالک متعلقہ سے دوستانہ معاہدے کرے اور ان "غلاموں" کو دوست بنالے۔ اس نے ایسا نہ کیا تو آج کے "غلام" کل کے دشمن بن جائیں گے۔ فرانس ہند چینی سے بے دخل ہو چکا ہے۔ شمالی افریقہ میں وہ تادیر نہیں رہ سکتا۔ البتہ اگر وہ ان علاقوں کو خود مختاری دینے پر رضامند ہو جائے تو یہ ممالک رضا کارانہ طور پر اس کی قیادت تسلیم کر لیں گے۔ فرانس کے لئے یہی مناسب نہیں کہ وہ ٹیونس کو داخلی آزادی دے، بلکہ اپنی خطوط پر الجزائر اور مراکش سے بھی مذاکرات کی طرح ڈالے، ٹیونس میں جو کچھ ہو گا اس کا اثر لامحالہ ان ہمسایہ ممالک پر پڑے گا۔ اگر فرانس نے ان کے مطالبہ کو پورا کرنے کی کوشش نہ کی تو ٹیونس کا تعاون حاصل کر لینے کے باوجود فرانس کو شمالی افریقہ میں عافیت حاصل نہیں ہو گی۔ اگر فرانس چاہتا ہے کہ مغرب اقصیٰ دوسرا ہند چینی نہ بنے تو اسے ابھی سے حسن تدبیر سے کام لینا چاہیئے۔

یہ تاخیر کیوں؟

۳۰ مارچ کو کابل میں پاکستانی سفارت خانے پر افغانی حکومت نے جو بزدلانہ حملہ کرایا، اس سے پاکستان کے طول و عرض میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی اور ترکی بترکی جواب کا ہمہ گیر مطالبہ ہوا تھا۔ حکومت پاکستان نے عوام کو اپنے جذبات قابو میں رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان کے پرچم کی جو توہین ہوئی ہے اس کا پورا بدلہ لیا جائے گا اور نقصان کی تلافی کرائی جائے گی۔ اس اپیل کا یہ اثر ہوا کہ ملک میں بڑے صبر و سکون کا مظاہرہ کیا گیا۔ لیکن ہماری حکومت نے اس پر کیا کارروائی کی؟ اس کی طرف سے حکومت افغانستان کو ایک یادداشت بھیج کر مطالبہ کیا گیا کہ

(۱) وہ ہنگامے کی صفائی پیش کرے اور ضمانت دے کہ آیندہ اس کا اعادہ نہیں ہو گا۔

(۲) وہ ضمانت دے کہ کابل، قندھار اور جلال آباد میں پاکستانی سفارت خانے بین الاقوامی قاعدے کے مطابق محفوظ رہیں گے۔

(۳) وہ غیر مشروط معافی مانگے۔

(۴) پاکستانی پرچم کی جو توہین ہوئی ہے اس کی آبرومندانہ تلافی کرے۔ اور

(۵) لوٹے ہوئے یا تباہ شدہ سامان کا ہرجانہ ادا کرے۔

اس کے جواب میں حکومت افغانستان نے قندھار اور جلال آباد کے سفارت خانوں پر بھی حملے کرا دیئے اور پاکستانی عملہ اور پاکستانی شہریوں کا مکمل مقاطعہ کرا دیا، یہاں تک کہ مجبور ہو کر تمام پاکستانی خاندانوں کو افغانستان کی حدود سے نکال لیا گیا ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حکومت افغانستان اپنے کئے پر پشیمان ہونا تو ایک طرف وہ خلاف پاکستان کارروائی کو نتائج اور عواقب سے بے پروا ہو کر جاری رکھنے پر تلی ہوئی ہے۔ جہاں ہماری گمراہ ہمسایہ حکومت کا یہ حال ہے وہاں حکومت پاکستان کی یہ صورت ہے کہ محض باتوں باتوں میں کم و بیش ایک مہینہ ضائع کر دیا گیا ہے۔ اس سے حکومت افغانستان یہ نتیجہ نکالنے میں بالکل حق بجانب ہو گی کہ حکومت پاکستان کا غم و غصہ باتوں کی حد سے آگے نہیں بڑھتا لہذا بلا خوف و خطر اس کو گزند بہم پہنچایا جاسکتا ہے۔ پاکستان کی پالیسی افغانستان کے بارے میں شروع سے ہی کمزور رہی ہے اور افغانستان اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتا رہا ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حکومت اس کمزور پالیسی کو کس مصلحت کی بنا پر جاری رکھ رہی ہے اور اسے اس سے کس فائدے کی توقع ہے۔ افغانستان نے پاکستان سے انتہائی ناقابل برداشت سلوک کیا ہے اور اس کا اسے پورا پورا جواب دینا چاہیئے۔ ہماری طرف سے جتنی تاخیر ہو گی افغانستان کا اسی قدر حوصلہ بڑھے گا۔ یکم اپریل کی نشری تقریر میں وزیر اعظم

سے نوازا۔

اور ناموس

سے نہیں بیٹھیں گے

فارغ ہو چکے ہیں انہیں فی الفور

سوئی گیس

سوئی کے مقام پر گیس کی دریافت پاکستان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ قدرت کے اس بے نظیر عطیہ کی ممکنات بڑی انقلابی ثابت ہو سکتی ہیں۔ اس وقت تک یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ گیس کا متوقع ذخیرہ کم از کم ساٹھ سال تک کام دے سکے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے عرصے کے لئے ہمارے کارخانے کوئلے سے بے نیاز رہ سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ پاکستان میں کوئلے کی کمی ہے اور ہمیں ہر سال گراں قدر رقم اس کے مہیا کرنے میں صرف کرنا پڑتی ہے۔ اس سے نہ محض قیمتی زر مبادلہ صرف ہوتا ہے بلکہ ہماری مصنوعات پر لاگت بھی زیادہ آتی ہے۔ گیس کے استعمال سے کم و بیش پچاس لاکھ پونڈ سالانہ کی بچت ہو سکے گی۔ اس طرح ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ یہ زر مبادلہ زیادہ ضروری مدات پر صرف کیا جاسکے گا، اور دوسرا فائدہ یہ کہ سستی گیس کی بدولت کارخانے سستی مصنوعات تیار کر سکیں گے۔ اور چونکہ گیس کپڑے اور سیمنٹ وغیرہ کے کارخانوں میں استعمال کی جائے گی اس لئے توقع کی جاسکتی ہے کہ عنقریب ان ضروری اشیائے صرف کی قیمتیں مناسب سطح پر آجائیں گی۔

انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ سوئی گیس کو کارخانوں تک پہنچانے کا کام بڑی مستعدی سے تکمیل پا رہا ہے۔ اب تک ایک پائپ لائن سوئی سے کراچی تک پہنچائی جاچکی ہے۔ اس کا آخری جوڑ گذشتہ ہفتے میں مکمل کیا گیا۔ یہ ۳۴۰ میل لمبی لائن ۱۰۴ دنوں میں مکمل ہو گئی ہے۔ محض محنت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ مرحلہ بڑا دشوار گزار تھا۔ لائن کو تقریباً ہر قسم کی زمین سے گزرنا پڑا۔ مثلاً پہاڑی، جنگلی، دلدلی، صحرائی وغیرہ۔ اس اعتبار سے ۳ میل فی روز کی رفتار حیران کن ہے۔ دراصل یہ حیران کن ہماری سست روی کے مقابلے میں ہے، ورنہ آجکل کے دور برق رفتاری میں کیا کچھ ممکن نہیں۔ یہ غنیمت ہے کہ ہمارے ہاں رفتار اور ترقی کا چرچا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اس پر جس قدر بھی اطمینان کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ اس کے لئے مستحق مبارکباد ہے پی۔ آئی۔ ڈی۔ سی۔ جس کی نگرانی میں یہ کارنامہ سرانجام دیا جا رہا ہے۔ اب توقع کی جاسکتی ہے کہ سابقہ اعلان کے مطابق اگست میں کراچی کے کارخانے گیس کا استعمال کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ یہ گیس پنجاب کو بھی مہیا کی جائے گی۔ اس مطلب کے لئے کوٹ ادو میں بجلی کا کارخانہ قائم کیا جائے گا جو اس گیس سے چلے گا۔ اور سستی بجلی پنجاب کے کارخانوں تک پہنچائے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ پنجاب کو جلد از جلد گیس مہیا کی جائے۔ تاکہ کراچی اور پنجاب کے کارخانوں کی مصنوعات مساوی لاگت میں تیار ہو سکیں اور ملک میں جگہ جگہ ان کا فائدہ پہنچے۔ حکومت کو اس امر کا بھی خیال رکھنا ہو گا کہ گیس کے استعمال کے بعد ذاتی

ملکی مصنوعات کی قیمتیں کم ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو قدرت کے اس بے مثل عطیے کا فائدہ تمام تر چند کارخانہ داروں تک محدود رہے گا اور عوام نئی معاشی مشکلات سے دوچار ہو جائیں گے۔

سکھستان

تقسیم سے پیشتر اور تقسیم کے بعد ماسٹر تارا سنگھ پاکستان کے متعلق، جن بے خردانہ اور غیر ذمہ دارانہ خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں، اس کے پیش نظر ان کے فرمودات کو سنجیدگی سے دیکھنا خلاف دانشمندی ہے۔ لہٰذا اگر ہم ان کے تازہ بیان کا ذکر ان کالموں میں کر رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ماسٹر جی اس عزت افزائی کے قابل ہو گئے ہیں کہ ان کے اس بیان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے بلکہ اس سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ مسلمانان پاکستان عبرت حاصل کریں اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیں۔ ہماری حکومت نے حکومت ہند سے دوستی کی پینگیں بڑھانے کی ضرورت کیا سمجھی، ہمارے عوام بیا شارہ پاک ایکل آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے جس انداز سے ہندوؤں بالخصوص سکھوں کی؛ خاطر مدارات کی، اس میں عالی ظرفی سے کہیں زیادہ خود فراموشی پائی جاتی تھی۔ لیکن اگر وہ فور جذبات سے اندھے ہو رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے "مہمان" بھی اپنے مؤقف دہشت نہاد کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایک پاکستانی صحافی ماسٹر تارا سنگھ سے ملے۔ اور دوران گفتگو میں ان سے پوچھا کہ سکھوں کا حکومت ہند سے کیا جھگڑا ہے تو انہوں نے سختی سے جواب دیا کہ وہ اس معاملہ کو چھوڑ دیں کیونکہ یہ ان کا گھریلو معاملہ ہے۔ اسی طرح جب اس پاکستانی اخبار نویس نے کشمیر سے متعلق بات کرتے ہوئے کہا کہ اہل کشمیر پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ کشمیری ہندوستان کے ساتھ ہیں۔ نیز انہوں نے اخبار نویس کو مشورہ دیا کہ وہ اس خیر سگالی کے زمانے میں ایسی باتیں کرنے سے اجتناب کریں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سکھ اس "خیر سگالی کے زمانے میں" بھی پاکستان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، یہی نہیں، تازہ بیان میں تو ماسٹر صاحب نے کمال ہی کر دیا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ راوی کے اس پار کے تیس چالیس گاؤں سکھوں کے حوالے کر دیے جائیں اور اس کے معاوضہ میں مغربی پاکستان کے گوردواروں سے ملحقہ زمین کو حکومت پاکستان اپنی تحویل میں لے لے۔ گویا بالفاظ دیگر ماسٹر جی پاکستان میں سکھستان بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے پاکستان سے مزید زمین حاصل کرنے کا مطالبہ ہندو مہاسبھا کی طرف سے ہوا کرتا تھا، اب سکھ بھی اس میدان میں اتر رہے ہیں۔ انہیں یہ جرأت یقیناً اس "عالی ظرفی" اور "فیاضی" سے ہوئی ہے جس کا مظاہرہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو بھول کر کیا۔

"آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا"

* * * *

مشرقی پاکستان سے ہندوؤں کا انخلاء

(چشم دید حالات)

ہم ۱۰ اپریل اور ۱۶ اپریل کی اشاعتوں میں اس پروپیگنڈے پر تبصرہ کر چکے ہیں جو ہندوستان میں شد و مد سے کیا جا رہا ہے کہ مشرقی پاکستان کے ہندو بھاگ بھاگ کر ہندوستان آ رہے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں حکومت پاکستان پر نکتہ چینی بھی کر چکے ہیں کہ اس نے ہندوستانی پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر اپنے اقلیتی وزیر کو ہندوستان کے نائب وزیر امور خارجہ کی معیت میں مشرقی پاکستان کے دورے پر روانہ کر دیا۔ لیکن ان مسلمان مہاجرین کا سوال نہ اٹھایا جو لاکھوں کی تعداد میں پاکستان آ چکے ہیں اور ہر روز کھوکھرا پار سے آتے رہتے ہیں۔ ذیل میں ہم معاصر "ٹائمز آف کراچی" کی اس مفصل رپورٹ کا ملخص شائع کرتے ہیں جو اس کے وقائع نگار خصوصی نے مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال کا دورہ کرنے اور تارکین وطن سے ملنے اور تحقیق حال کرنے کے بعد مرتب کی۔ اس رپورٹ سے حقیقت حال بخوبی سامنے آ جاتی ہے۔

(طلوع اسلام)

"ہندوؤں کے ترک پاکستان کا مسئلہ پیچیدہ ہے جس کا حل دونوں ممالک کے وزیروں کے مشترکہ دورے میں نہیں۔ ایک لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ذمہ داری ہندوستان پر عائد ہوتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ ہندوستان کے نزدیک یہ سیاسی مسئلہ ہے انسانی نہیں، وہاں کے متشدد طبقے اس سے خلاف پاکستان پروپیگنڈے کا جواز نکالتے ہیں۔ پاکستان سے آنے والے ہندو مختلف بلکہ متضاد بیانات دیتے ہیں۔ ڈھاکہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوئی۔ وہ امن امان سے رہ رہے تھے لیکن چونکہ اور لوگ جا رہے ہیں، اس لئے وہ بھی جا رہے ہیں۔ مجھے ایسے ہندو بھی ملے جن کے پاس ہندوستان سے یہ خط آ رہے تھے کہ وہ ہندوستان آ جائیں تو انہیں بحالی کے لئے گراں قدر رقمیں اور مراعات حاصل ہوں گی بلکہ بعض خطوط میں تو ذکر تھا کہ ان کے نام پر ایسی مراعات حاصل کر لی گئی ہیں۔

"کلکتے میں آکر ان کی کہانی الٹی ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے بیسیوں سے باتیں کیں۔ ان میں زیادہ تر یہی کہتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ پاتے تھے۔ بعض سے جب میں نے پوچھا کہ اگر حکومت پاکستان آپ کو پوری مراعات دے تو کیا آپ واپس چلے جائیے گا تو مجھے جواب ملا: نہیں اب واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے باتیں کرنے کی وجہ تھی۔ وہ لوگ کیمپ میں تھے اور وہاں بحالیات کے کارکن بھی تھے۔ ان کے سامنے وہ اپنے آپ کو مصیبت زدہ ظاہر نہ کریں تو بحالی کے مستحق کیسے ہوں۔ ہندوستانی عوام ان فرضی داستانوں کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں اور اس طرح ایسی فضا پیدا ہو جاتی ہے جس میں باہمی بد اعتمادی بڑھتی ہے۔ ہندوؤں کے لئے ایک اور مشکل بھی ہے۔ تقسیم سے پہلے وہ صوبے کی معیشت پر پوری طرح قابض تھے اب ان کا قبضہ ختم ہو رہا ہے اور پاکستان میں مسلمان اپنے آپ میں آ رہے ہیں۔ ہندو اس صورت حال کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا وہ ان اجاروں کی بازیافت کے خواب دیکھتا ہے، جو اسے پہلے حاصل تھے۔

"حکومت ہند کا رویہ بھی ایسا ہے جس سے ترک وطن کو فروغ ہوتا ہے۔ مثلاً ہر چند حکومت کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تارکین وطن کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی، ترک وطن کا سرکاری سرٹیفکیٹ ہر اس ہندو کو مل جاتا ہے جو اس کی خواہش کرتا ہے، اس کے برعکس پاکستان نے ایسے سرٹیفکیٹوں کا سلسلہ ایک عرصہ سے بند کر رکھا ہے۔ حکومت ہند نے ترک وطن کو آسان ہی نہیں بنا دیا بلکہ اسے دلکش بھی بنا دیا ہے۔ پاکستان سے آنے والے ہندوؤں کو کیمپ میں دال بھات بھی ملتی ہے اور فی کس روزانہ پیسے بھی ملتے ہیں، اس طرح ایک متوسط خاندان کے لئے ساٹھ روپے کے لگ بھگ ماہانہ "آمدنی" ہو جاتی ہے۔ بحالی ہونے پر ان کو زمین ملتی ہے اور مکان اور زرعی اور غیر زرعی ضروریات کے لئے مناسب پیسہ بھی ملتا ہے۔

"ذرا غور سے دیکھا جائے تو حکومت تارکین وطن سے فیاضانہ سلوک کرنے پر مجبور ہے۔ یہ لوگ کمیونسٹوں اور دیگر پارٹیوں کے لئے باقاعدہ شکار ہیں۔ اب تک ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب وہ کلکتے میں پہنچتے ہیں تو کمیونسٹ، جن سنگھ اور مہاسبھا کے کارکن انہیں ان باتوں میں ادھر لاتے ہیں کہ وہ اندرون ملک گاؤں میں آباد ہونے سے انکار کر دیں۔ اور ان کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف مظاہرے کریں اور مطالبہ پیش کریں کہ انہیں شہروں میں بسایا جائے۔ تارکین وطن اکثر اس دام میں پھنس چکے ہیں اور کئی افسوسناک ہنگامے ہو چکے ہیں۔ کمیونسٹ زیادہ گہری چالیں چلتے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے لیڈر تو خود وہاں نہیں جاتے تاکہ کوئی شبہ نہ ہو سکے لیکن ان کے عام کارکن آنے والوں کے رشتہ دار بن کر ان سے ملتے اور انہیں ورغلاتے رہتے ہیں۔ حکومت ان فتنوں سے بچنے کے لئے ہر قسم کی قیمت دینے کے لئے تیار ہے۔ وہ وہاں خصوصی مراعات دیتی ہے۔ وہاں اپنے جاسوس بھیج کر آنے والے ہندوؤں کی نگرانی بھی کرتی رہتی ہے تاکہ وہ غلط ہاتھوں میں نہ پڑ جائیں۔

"ترک پاکستان کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ مشرقی پاکستان سے ہندو لیڈر ہندوستان آ گئے ہیں مگر وہ اپنا مقام پیدا نہیں کر سکے ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ ان کے متبع بھی ہندوستان آ جائیں اسی طرح کمیونسٹ بھی اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ ان کے ہم خیال زیادہ سے زیادہ آتے رہیں۔ تاکہ حکومت ہند کی مشکلات میں اضافہ

(باقی صفحہ ۸)

تاریخی شواہد

(۱۴)

(۲) کتاب پیدائش کے مذکورہ صدر بیان، نیز اس کے دیگر بیانات سے ظاہر ہے کہ تورات کی رو سے طوفان نوح عالمگیر حیثیت رکھتا تھا کیونکہ خدا نے یہ کہا تھا کہ صفحۂ ارض پر جس قدر ذی روح موجود ہیں وہ ان سب کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اس طوفان کی عالمگیریت کا نظریہ تاریخی تحقیقات کے سامنے نہیں ٹھہر سکا۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھیکس کا مضمون نگار عنوان "طوفان" (Deluge) کے تحت لکھتا ہے کہ

ایک عالمگیر طوفان کا عقیدہ ارباب تحقیق و خبر کے نزدیک بالکل مرفوع القلم ہے۔

اس کے برعکس، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، قرآن کریم سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ طوفان صرف قوم نوح کے علاقے میں آیا تھا نہ کہ ساری دنیا پر اور یہ وہ حقیقت ہے جس کی تائید تاریخی شواہد اور اثری انکشافات سے ہوتی جا رہی ہے

(۳) تیسرا اہم نقطہ پسر حضرت نوح کا واقعہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ اس کے غیر صالح اعمال اسے کس طرح لے ڈوبے اور نبی کا نسبی تعلق بھی اسے مکافات عمل سے نہ بچا سکا اور وہ "اپنا ہوتے ہوئے کیسے غیر بن گیا۔" لیکن اب دیکھئے کہ بائبل میں پسر نوح کا واقعہ کن الفاظ میں مذکور ہے۔ کتاب پیدائش کے نویں باب میں ہے۔

اور نوح کھیتی باڑی کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اور اس کی مے پی کر نشے میں آیا اور اپنے ڈیرے کے اندر آپ کو ننگا کیا۔ اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو ننگا دیکھا اور اپنے دو بھائیوں کو جو باہر تھے خبر دی۔ تب سم اور یافث نے ایک کپڑا لیا اور اپنے دونوں کاندھوں پر دھرا اور پچھلے پاؤں جاکے اپنے باپ کی برہنگی کو چھپایا۔ پر ان کی پیٹھ اس کی طرف تھی کہ انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی کو نہ دیکھا۔ جب نوح اپنے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا معلوم کیا۔ تب وہ بولا کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔ پھر بولا کہ خداوند سم کا خدا مبارک اور کنعان اس کا غلام ہوگا۔ خدا یافث کو پھیلائے اور وہ سم کے ڈیروں میں رہے اور کنعان اس کا غلام ہو۔ (کتاب پیدائش ۹/۲۰-۲۷)

یہاں تین چیزیں قابل غور ہیں۔ اول حام کا قصور یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنے باپ کا ستر دیکھ لیا۔ لیکن اس کی سزا کا کچھ ذکر نہیں دوسرے یہ کہ قصور حام کا ہے لیکن لعنت اور پھٹکار کا سزاوار اس کا بیٹا قرار دیا جاتا ہے۔ اور تیسری (اور سب سے اہم) شق یہ کہ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) خدا کے ایک برگزیدہ رسول کو ایک ایسی ہیئت میں پیش کیا گیا ہے جس سے سعید فطرت کا تصور بھی کانپ اٹھے۔ اس کے برعکس قرآن کریم نے حضرت نوح کی جس مقدس سیرت کو پیش کیا ہے اس سے ان کی رفعت مرتبت اور علو درجت درخشندہ و تابناک صورت میں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت نوح خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳/۳۳)

بلا شبہ (یہ واقعہ ہے کہ) اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کے گھرانوں کو تمام دنیا میں برگزیدگی عطا فرمائی۔

وہ عبد شاکر تھے۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ (۱۷/۳)

تم ان لوگوں کی نسل ہو جنہیں ہم نے (طوفان کی ہلاکت سے نجات دی تھی اور) نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کرایا تھا۔ اور وہ ہمارا ایسا بندہ تھا جس کی سعی و عمل حسن نتائج سے بھرپور ہوئے تھے۔

خدا کے مومنین کی جماعت میں سے تھے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۳۷/۷۵-۸۱)

اور یقیناً نوح نے ہمیں پکارا۔ سو ہم کیسے اچھے پکار کا جواب دینے والے ہیں۔ اور ہم نے اسے اور اس کے پیرووں کو کرب عظیم سے نجات دی، اور اس کی نسل کو ہی باقی رہنے والوں میں رکھا۔ اور آنے والوں میں اس کا (نیک نام) باقی رکھا۔ نوح پر اقوام عالم میں سلام ہو۔ اس طرح ہم مخلص بندوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

وہ حضرت ابراہیم کی طرح خدا کے رسول تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (۵۷/۲۶)

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا۔ اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو جاری رکھا۔ سو ان (کی ذریت) میں سے ہدایت پر بھی ہیں اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں۔

خدا نے ان کی پکار کو سنا اور اسے شرف قبولیت سے نوازا۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ (۲۱/۷۶)

اور (اسی طرح) نوح کا معاملہ (بھی یاد کرو) جو ان (نبیوں) سے پیشتر کا ہے، جب اس نے ہمیں پکارا تھا (تو دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے اور اس کے گھرانے کو ایک بڑی ہی سختی سے نجات دیدی۔

اور یہ اس لئے کہ آپ احکامات الٰہیہ کے سچے فرمانبردار، پیکر تسلیم و رضا اور مظہر اطاعت و انقیاد تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ (۱۰/۷۱-۷۳)

اور (اے پیغمبر!) انہیں نوح کا حال سناؤ۔ جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم! اگر تم پر یہ بات شاق گذرتی ہے کہ میں تم میں (دعوت و ہدایت کے لئے) کھڑا ہوں اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ پند و نصیحت کرتا ہوں، تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو۔ اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو۔ پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہو اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کوئی پہلو تمہاری نظر سے نہ رہ جائے۔ پھر میرے خلاف جو کچھ کرنا ہے کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (اور دیکھو آخر کار کیا نتیجہ نکلتا ہے؟) پھر اگر اس پر بھی تم باز نہ آئے اور) مجھ سے روگردانی کی تو (یاد رکھو) اپنا ہی (نقصان کرو گے) میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے لئے تم سے کسی مزدوری کا طلبگار نہیں ہوں۔ میرا اجر تو اللہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ہے مجھے (اسی کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ اس کے فرمانبردار بندوں کے گروہ میں شامل رہوں!"

اس پر بھی لوگوں نے اسے جھٹلایا۔ بس ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے (طوفان سے) بچا لیا اور (غرق شدہ قوم کا) جانشین بنایا۔ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان سب کو غرق کر دیا۔ تو دیکھو ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو (انکار و سرکشی کے نتائج سے) خبردار کر دیئے گئے تھے۔

اسلامی معاشرت
قیمت		دو روپے

عورت کا قرآن

—————— (۱۱) ——————

(۱) وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ
إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا
عَمِلُوا　　(سبا ع ۵)

اور تمہارے اموال و اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو درجہ میں ہمارے نزدیک مقرب بنا دیں ہاں مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے سو ایسے لوگوں کے لئے اُن کے عمل کا دوگنا صلہ ہے۔

(۲) إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ
مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ج حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ
أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ
وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○ (نساء ع ۳)

اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کر لینے کا ذمہ لیا ہے۔ جو نادانی اور بے خبری میں کوئی برائی کی بات کر بیٹھتے ہیں۔ اور پھر فوراً اس پر پشیمان ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں پر تو اللہ ضرور توجہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔ لیکن ان لوگوں کی توبہ تو یہ نہیں ہے جو ساری عمر تو برائیاں کرتے رہے لیکن جب اُن کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگے کہ "اب میں توبہ کرتا ہوں"۔ اسی طرح ان لوگوں کی بھی توبہ، توبہ نہیں ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۳) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ
مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○

(بقرہ رکوع ۱۹)

اور یاد رکھو یہ ضرور ہوتا ہے کہ ہم تمہیں مختلف حالات میں اُلٹ پلٹ کر پختگی تک پہنچا دیں۔ خطرات کا خوف، بھوک پیاس کی تکلیف، جان اور مال کا نقصان، پیداوار کی تباہی، وہ مختلف حالات ہیں جو تمہیں پیش آئیں گے۔ پھر جو لوگ ان مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں، انہیں فتح و کامرانی کی بشارت دیدو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو اُن کی زبان سے صرف یہی نکلتا ہے کہ "ہماری زندگی خدا کے قانون ہی کی سرفرازی کے لئے ہے اور ہمارا ہر قدم اسی قانون کے مطابق اُٹھتا ہے۔ سو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کے الطاف و کرم ہیں اور جن پر اس کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور یہی ہیں جو اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔

(۴) إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (نساء ع ۱۵)

بلاشبہ نظامِ صلوٰۃ مسلمانوں کے ذمے ایک مقررہ قانون کی پابندی کا نام ہے۔

(۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا
وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ
وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ
كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ
أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا
فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ
عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○　(مائدہ ع ۲)

اے مسلمانو! جب تم صلوٰۃ کے وقتی اجتماعات کے لئے کھڑے ہو تو چاہیئے کہ اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لیا کرو، اور سر کا مسح کر لو۔ اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔

اور اگر حاجت غسل ہے تو پھر نہا کے پاک صاف ہو جاؤ۔

اور اگر بیمار ہو (پانی کا استعمال مضر ہو) یا سفر کر رہے ہو (کہ پانی کی تلاش دشوار ہو) یا ایسا ہو کہ تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آیا ہو، یا تم عورت سے ملے ہو، اور پھر تم کو پانی میسر نہ آئے، تو اس حالت میں تم کو چاہیئے کہ پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو اس طرح کہ اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔ اللہ یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی طرح کی مشقت میں ڈالے بلکہ اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ تمہیں پاک صاف رکھے اور تم کو شائستہ بنا کر تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تاکہ "تمہیں تمہاری مساعی کے بھرپور نتائج حاصل ہو سکیں۔

(۶) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا
أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ○

(حجرات ع ۱)

اے مسلمانو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ تاکہ کبھی کسی کو نادانی سے کوئی نقصان ایسا نہ پہنچا دو کہ بعد میں تمہیں اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

(۷) وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ ○ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ○ مَنَّاعٍ
لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ○ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ○ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ
وَبَنِينَ ○　(قلم رکوع ۱)

اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانا کرو جو بہت قسمیں کھانے والا ہو۔ بے وقعت ہو۔ دوسروں کو طعنہ دینے والا ہو۔ چغلیاں کھاتا پھرتا ہو۔ نیک کاموں میں کھنڈت ڈالنے والا ہو۔ حد سے گزر جانے والا ہو۔ یا تھک کر پیچھے رہ جانے والا ہو سخت مزاج ہو۔ اور ان سب سے علاوہ یہ کہ بدنسب بھی ہو، محض اس سبب سے کہ وہ بہت مال اور اولاد والا ہے۔

(۸) وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ ○ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ○ يَحْسَبُ
أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ○ كَلَّا ۖ لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ○ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا الْحُطَمَةُ ○ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ○ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى
الْأَفْئِدَةِ ○　(الھمزہ ع ۱)

پھٹکار ہے اس پر جو پیٹھ پیچھے عیب نکالنے والا ہو یا دو دو طعنے دینے والا ہو۔ جو مال کو جمع کر کے رکھتا ہو اور اسے گنتا رہتا ہو۔ (اور مفادِ عامہ کے لئے اسے کھلا نہ چھوڑ دیتا ہو) کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا یہ مال اسے حیاتِ جاودانی بخش دے گا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ واللہ وہ شخص حُطمہ میں ڈالا جائے گا اور جانتے ہو "حُطمہ" کیا ہے؟ وہ ایسی خوفناک آگ ہے جو جھکتی ہوئی دلوں تک پہنچ جانے والی ہے۔

نوٹ۔ طلوع اسلام مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۵۵ء تک کتاب "عورت کا قرآن" کا پیش لفظ شائع ہوا تھا۔ اور ۲ اپریل ۱۹۵۵ء سے اصل کتاب شروع ہو گئی ہے۔ ناظرین نوٹ فرمالیں۔

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں جزیرۂ عرب اور عربوں کے دیگر ممالک و اقوام کے ساتھ دینی، تجارتی اور ثقافتی تعلقات کا تذکرہ آچکا ہے۔ زیرِ نظر صحبت میں گذشتہ اشاعت کے تسلسل میں عربوں کے اندر نصرانیت کے فروغ سے بحث کی گئی ہے۔

حتیٰ کہ ایرانیوں نے یمن کے شہروں پر حملہ کر کے انھیں فتح کر لیا اور حبشیوں کو وہاں سے نکال بھگایا۔ نجران میں نصرانیت کا چراغ حضرت عمرؓ کے عہد تک جلتا رہا۔ تاآنکہ حضرت عمرؓ نے ان کو جلاوطن کر دیا، اور ان کی اکثریت عراق کی طرف چلی گئی۔

مسیحیت نے بھی اپنی تعلیمات عربوں میں پھیلائیں انھوں نے عربوں میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے، جن کا میلان رہبانیت کی طرف تھا، اور وہ خانقاہیں بنا کر تارک الدنیا ہو جاتے تھے، مورخین کا بیان ہے کہ حنظلہ طائی اپنی قوم سے الگ ہو کر زاہد بن گیا تھا۔ اس نے فرات کے کنارے قریب ایک خانقاہ بنائی تھی جو اکبر حنظلہ کے نام سے مشہور تھی۔ وہ مرتے دم تک اس میں راہب بن کر رہا۔

مورخین ہی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ قس بن ساعدہ کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ کوئی مکان اس کے سر پر سایہ انداز نہیں تھا، کچھ غذا کے طور پر پی لیا کرتا تھا۔ وحشی جانوروں اور حشرات الارض سے اس کو انس تھا۔ وہی لوگ کہتے ہیں کہ "امیہ ابن ابی الصلت نے بہت سی کتابیں دیکھی اور پڑھی تھیں۔ اس نے زہد میں ٹاٹ پہننا شروع کر دیا تھا۔ انہی لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ عدی بن زید نعمان شاہ حیرہ کو نصیحت کرتا رہا۔ تاآنکہ نصرانیت کو وہ پسند کرنے لگا۔ اور اپنا تاج سر سے اتار دیا اور شاہی پوشاک اتار کر عدی بن زید کی طرح ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور دونوں پہاڑوں میں خدا کی عبادت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں نعمان کا انتقال ہو گیا ——— اغانی نے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن متی یعنی اعشیٰ کے راوی نے جو نصرانی عبادی تھا کہا ہے کہ اعشیٰ قدری تھا۔ اور لبید اس کے برعکس مثبت تھا۔ چنانچہ لبید نے یہ مشہور کیا تھا کہ "خدا جسے بھلائی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہ مطمئن قلب کے ساتھ راہ پا لیتا ہے۔ اور جب خدا چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے"۔ تو اعشیٰ نے اس کے جواب میں یہ شعر کہا تھا: خدا نے تو وفا اور عدل کو اختیار کر لیا ہے اور ملامت خود آدمی کے حوالے کر دی ہے" میں نے پوچھا کہ اعشیٰ نے اپنا یہ مذہب کہاں سے لیا تھا؟ تو اس نے بتایا کہ فرقہ عبادیین یعنی حیرہ کے نصاریٰ کی طرف سے لیا تھا۔ وہ ان کے پاس شراب خریدنے جایا کرتا تھا اور انھوں نے اس کو یہ تعلیم دی تھی۔ صفحہ ۷۹ نمبر ۱۴۳ ———

عیسائی اور راہب عرب کے میلوں میں آتے، لوگوں کو نصیحت کرتے اور بشارتیں دیا کرتے تھے، حشر و نشر، حساب و کتاب، جنت اور دوزخ کے تذکرے کرتے تھے۔ قرآن کریم میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں ان کے اقوال کو نقل کر کے ان کے مذاہب کا ابطال کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیمات ان کے درمیان اچھی طرح پھیل چکی تھیں۔

ان نصاریٰ کے شعراء بھی تھے۔ مثلاً قس بن ساعدہ، امیہ بن ابی الصلت اور عدی بن زید وغیرہ۔ اپنے اشعار میں ان کا ایک خاص انداز ہوتا تھا جس پر ان کے دین کی مہر ہوتی تھی، ان کے اشعار ان کی دینی تعلیمات سے متاثر ہوتے تھے۔ یہ لوگ دنیا اور دنیوی حالات سے بے رغبتی کا سبق دیتے تھے، کون و فساد پر غور و فکر کی دعوت دیتے اور حوادث ارضی و سماوی سے عبرت حاصل کرنے کا درس دیتے تھے، عربی زندگی میں اکثر ان کے اشعار کی پیروی کی گئی اور محکم پیروی کی گئی۔ کہ ان اشعار کی یہ پیروی ان کے بنیادی منہاج کی طرف ہماری رہنمائی کر دیتی ہے

ان عرب نصاریٰ نے عربی زبان میں بہت سے ایسے الفاظ اور تراکیب داخل کر دیں۔ جنھیں عرب اس سے پہلے نہیں جانتے تھے چنانچہ اہل لغت بیان کرتے ہیں کہ امیہ بن ابی الصلت ہی نے عربوں کو "باسمک اللھم" کہنا سکھایا تھا۔ اور قس بن ساعدہ ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے "اما بعد" پہلے پہل بولا تھا۔ امیہ اپنے اشعار میں ایسے مجہول الفاظ بکثرت استعمال کرتا تھا۔ جنھیں اہل عرب نہیں پہچانتے تھے۔ یہ الفاظ وہ پرانی کتابوں سے لیتا تھا۔ چنانچہ اس کا ایک مصرعہ ہے۔

قَمَرٌ وَسَاهُورٌ يُسَلُّ وَيُغْمَدُ

(چاند اور سورج برہنہ کر دیئے جاتے ہیں اور نیام میں کر دیئے جاتے ہیں)

وہ اللہ کا نام "سلطیط" اور ایک دوسرے مقام پر "تغرور" رکھتا ہے۔

مزید برآں نصرانیت بھی جزیرہ عرب میں داخل ہونے سے پیشتر اپنی آغوش میں یونانی ثقافت کو اس طرح لئے ہوئے تھی جیسا کہ یہودیت لئے ہوئے تھی۔ نصرانیت ان ادیان میں سے ایک تھی جو مشرق میں پیدا ہوئے اور رومانی سلطنت میں جو یونانی ثقافت کا گہوارہ تھی ——— پروان چڑھے تھے۔ اسکندریہ جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں دین کے فلسفہ کے ساتھ امتزاج کا جغرافیائی مرکز تھا۔ مسیحی ابتدائی عہد میں آباء کنیسہ میں سے بیشتر مذہبی مقتدا بننے سے پہلے خود فلسفی ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنی اور اپنے عقائد کی تائید بت پرستوں کے مقابلہ میں ثابت کریں۔ اس لئے وہ فلسفہ کی پناہ لیتے تھے۔ تاکہ تعلیل و برہان میں اس سے مدد حاصل کر سکیں۔ اس طرح نصرانیت میں ارسطو اور افلاطون کا فلسفہ آہستہ آہستہ سرایت کرتا چلا گیا۔ یونانی اکیڈمیوں کے نمونہ پر لاہوتی مدارس کے قائم کرنے میں جو یونانی فلسفہ سے متاثر ہوتے تھے۔ مشرق ممتاز رہا ہے ان میں سے مشہور ترین مدرسہ اسکندریہ کا تھا جو تیسری صدی کے شروع میں تھا۔ ملکیون نے سنہ ۲۷۰ء میں ایک دوسرا مدرسہ انطاکیہ میں قائم کیا۔ اور ۲۹۰ء میں ایک تیسرا مدرسہ نصیبین قائم کیا جا چکا تھا۔ ان مدرسوں میں سریانی اور یونانی دونوں زبانوں کی ایک ساتھ تعلیم دی جاتی تھی۔

نسطوری فرقہ کے لوگ خصوصیت سے یونانی علم سے زیادہ لگاؤ رکھتے تھے۔ انھوں نے بکثرت لاہوتی اور فلسفی کتابوں کا یونانی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ لوگ طب اور علوم طبیعیہ میں بھی ایسے ہی مشہور ہوتے تھے۔ نسطوری فرقہ کے مذہبی پیشوا ایران میں طبیب بھی ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ حیرہ میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہو کہ حیرہ کے ضعف و اضمحلال اور ان اطراف میں اسلام پھیل جانے کے بعد اسلام میں جن شہروں نے علم کے جھنڈے بلند کئے ہیں۔ ان میں "بصرہ اور کوفہ" کا نام سرفہرست ہو۔ کیونکہ یہی دونوں شہر حیرہ کے پڑوسی تھے۔ وہ ابتدائی کتابیں جن سے یونانی ثقافت کو پھیلانے میں مدد لی گئی تھی وہ سریانی زبان میں لکھی ہوئی تھیں۔ اور انہی نسطوری مدارس کا ترکہ تھیں۔ عموماً یہی نسطوری علماء یونان اور عربوں کے درمیان باہمی نقطۂ اتصال تھے۔

یہی تینوں چیزیں۔ یعنی تجارت۔ سرحدات پر قائم شدہ مدنیتیں اور سلطنتیں۔ اور یہودیت و نصرانیت، عربوں میں آس پاس کی دیگر مدنیتوں اور تہذیبوں کے پھیلنے اور اثر و نفوذ حاصل کرنے کا ذریعہ تھیں۔ ہمدانی نے اپنی کتاب "الوشی المرقوم" میں لکھا ہے کہ رومیوں اور عجمیوں کے واقعات جہاں بھی پہنچے، عربوں ہی کے ذریعہ سے پہنچے، کیونکہ جو لوگ مکہ میں بود و باش رکھتے تھے۔ وہ قدیم عربوں اور اہل کتاب کے واقعات سے بخوبی واقف تھے۔ یہ لوگ مختلف ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تھے اور لوگوں کی خبریں دریافت کرتے تھے ایسے ہی جو لوگ حیرہ میں سکونت رکھتے اور عجمیوں کے ساتھ اختلاط رکھتے تھے۔ انھیں ان کے واقعات اور حیرہ کے تاریخی حوادث اور دیگر ممالک سے ان کا سلوک معلوم ہوتا تھا۔ پھر جو عرب شام میں آباد تھے۔ وہ روم۔ بنی اسرائیل اور یونان کے وقائع سے کماحقہ واقفیت رکھتے تھے، پھر جو عرب بحرین اور عمان میں آباد تھے ان کے ذریعہ سے سندھ اور ایران کی خبریں ہم تک پہنچیں، ایسے ہی جو لوگ یمن کے باشندے بنے ہوئے تھے وہ تقریباً تمام قوموں کے واقعات کا علم رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ آتے جاتے بادشاہوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے آئے تھے"۔ مگر ان عربوں کی یہ واقفیت پوری پوری واقفیت نہیں تھی۔ یہ مدنیتیں بڑے ہی تنگ راستے سے ان کی طرف سرایت کرتی تھیں جو چیزیں وہ دوسرے لوگوں سے نقل کرتے تھے ان میں اکثر تحریف بھی واقع ہو جاتی تھی۔

نقد و نظر

سنتِ خیر الانام

آپ نے کسی میلے یا جلسے میں کبھی بھگدڑ مچتے دیکھی ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ بھگدڑ مچا کیسے کرتی ہے؟ نہایت آسان طریقے سے۔ ایک شخص کے دل میں شرارت اٹھتی ہے یا وہ اپنے کسی مقصد کی خاطر جلسے میں انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ یک دم پکار اٹھتا ہے "سانپ"۔ اور اس کے ساتھ ہی بھاگ اٹھتا ہے۔ بس اس کے بعد، چاروں طرف سے سانپ، سانپ کی آوازیں آنی شروع ہو جاتی ہیں اور لوگ دیوانہ وار بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس بھگدڑ میں کسی کو کسی کا ہوش نہیں ہوتا۔ بس سانپ سانپ کا شور ہوتا ہے اور بھاگا بھاگی۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ سانپ کہاں ہے؟ کس نے دیکھا ہے؟ وہ کدھر گیا ہے؟ منتظمین جلسہ ہزار چلائیں کہ ٹھہرو۔ سانپ کہیں نہیں۔ لیکن ان کی کوئی نہیں سنتا۔ ہمارے ہاں کچھ عرصہ سے بدقسمتی سے اسی قسم کی بھگدڑ سارے ملک میں مچ رہی ہے۔ ہر شخص سانپ، سانپ پکارے اور انتشار میں اضافہ کئے جا رہا ہے۔ بھگدڑ مچانے والے خوش ہیں کہ ان کا تیر خوب نشانے پر جا کر لگا۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے، جماعت اسلامی تحریک پاکستان کے سخت ترین مخالفین میں تھی اور تشکیل پاکستان کے بعد وہ اپنی مشئوم عزائم کو اپنے سینوں میں لئے یہاں آپہنچی مذہب کی آڑ میں ملک میں انتشار پیدا کرنا شروع کر دیا۔ طلوع اسلام ان کے ان عزائم سے تقسیم ہند سے پہلے سے واقف تھا۔ اس نے اس دشمن دین و مملکت جماعت کے عزائم سے لوگوں کو آگاہ کرنا شروع کیا۔ ان کے پاس طلوع اسلام کے پیش کردہ حقائق کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے سوچا کہ ملک میں بھگدڑ مچاؤ۔ اس کے لئے انہوں نے شور مچایا کہ اسلام خطرے میں ہے۔ سنت رسول اللہ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) مٹائی جا رہی ہے۔ ذاتِ رسالتمآبؐ کی (خاکم بدہن) توہین ہو رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ کس طرف سے ہو رہا ہے؟ طلوع اسلام کی طرف سے! اس کے بعد پھر کیا تھا؟ چاروں طرف سے شور اٹھنا شروع ہو گیا اور لوگ بے تحاشا بھاگنے لگ گئے۔ چنانچہ اب حالت یہ ہے کہ جلسوں پر جلسے ہو رہے ہیں۔ ریزولیوشن پاس ہو رہے ہیں۔ انجمنیں بنائی جا رہی ہیں۔ مضامین لکھے جا رہے ہیں پمفلٹ بانٹے جا رہے ہیں۔ کتابوں پر کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ جن میں گالیوں کی بھرمار ہے۔ بدزبانیوں کا طوفان ہے بہتان تراشیوں اور تہمت طرازیوں کا سیلاب ہے۔ لیکن کوئی کھڑا ہو کر اتنا نہیں پوچھتا کہ طلوع اسلام نے کونسی بات ایسی کی ہے جس سے (معاذ اللہ) سنت رسول اللہؐ مٹ رہی ہے اور اس میں کونسا فقرہ ایسا شائع ہوا ہے جس سے (پناہ بخدا) ذات رسالتمآبؐ کی توہین ہوتی ہے۔ نہ کوئی اتنا سوچتا ہے۔ نہ طلوع اسلام سے پوچھنے کی زحمت گوارا کرتا ہے۔۔ لیکن بھگدڑ ہے کہ بدستور مچے چلی جا رہی ہے۔ اور جماعت اسلامی والے خوش ہیں کہ لوگوں کی توجہ دوسری طرف ہٹ گئی اور انہیں اپنی تخریبی کارروائیوں کے لئے کھلا میدان مل گیا۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے یہ کتاب جو اس وقت ہمارے زیرِ نظر ہے۔ اس کے مؤلف ہیں صاحبزادہ کرم شاہ بی۔ اے فاضل جامعہ ازہر۔ قاہرہ۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ آستانہ عالیہ، سیال شریف (پنجاب) کے متوسلین میں سے ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں اگرچہ اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں کہ "منکرین سنت کے اس گروہ کو مکر و فریب کی بے پناہ قوتوں کے باوجود عنقریب ہی پتہ چل جائے گا کہ ......" لیکن اصل کتاب میں بالعموم متانت روی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ مؤلف نے اسے جذبۂ صادقہ کے ساتھ لکھا ہے۔ کتاب کا انداز یہ ہے کہ شروع میں اطاعت رسول کی اہمیت اور وجوب کو ثابت کیا گیا ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ اطاعت، سنت رسول اللہ کے اتباع سے ہو گی۔ اور سنتِ رسول اللہ، احادیث کے اندر ملے گی۔ جامعین احادیث نے جمع و تدوین حدیث میں بڑی محنت و کاوش سے کام لیا ہے۔ پھر کتب احادیث کا اجمالی سا تذکرہ ہے۔ آخر میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو بعض احادیث پر عائد ہوتے ہیں۔ کتاب ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت، طباعت اچھی ہے۔ اور قیمت بلا جلد دو روپے آٹھ آنے ہے۔ ملنے کا پتہ۔ صوفی خدا بخش صاحب۔ سکریٹری مرکزی حزب اللہ۔ بھیرہ۔ (پنجاب)

ہم اس جواں بخت و جواں سال مؤلف کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ کتاب کی تالیف سے پہلے اصل مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو جو کام ان کی یہ تین سو صفحات کی کتاب نہیں کر سکی وہ شاید ان کا تین صفحے کا مضمون کر دیتا۔ جہاں تک سنت رسول اللہؐ کا تعلق ہے۔ طلوع اسلام کے ٹائیٹل کے صفحے پر "مسلک اور مقصد" کا جو بلاک چھپتا ہے، اس میں چوتھی شق یہ ہے:

> حضور نبی اکرمؐ انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ لیکن عجمی سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر رکھی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضورؐ کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس بات سے محترم مؤلف کو بھی انکار نہیں ہو گا۔ اب رہی اس اجمال کی تفصیل۔ سو اس کے لئے پرویز صاحب کی ضخیم کتاب "معراج انسانیت" دیکھی جا سکتی ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ سیرت نبی اکرمؐ پر اس سے بہتر کتاب شاید ہی لکھی گئی ہو۔ جہاں تک عبادات اور ارکان اسلام کا تعلق ہے۔ طلوع اسلام کی تلقین یہ ہے کہ بجالت موجودہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے طریقہ کے مطابق نماز پڑھ لینی چاہیئے اور کسی نئے طریقہ کو وضع کرکے ملت میں مزید انتشار کا موجب نہیں بننا چاہیئے۔ یہی صورت دین کے دیگر ارکان کی ہے" (طلوع اسلام بابت ۵ مئی ۵۳ء صفحہ ۱۰) یہ ہے وہ طلوع اسلام جس کے متعلق شور مچایا جا رہا ہے کہ یہ سنت رسول اللہؐ کو (معاذ اللہ) مٹا رہا ہے اور (خاکم بدہن) رسول اللہؐ کی توہین کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اگر محترم مؤلف ذرا رک کر اتنا ہی دیکھ لیتے تو ان کے لئے بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔

اب دیکھئے کہ وہ بات کیا ہے جسے طلوع اسلام نے پیش کیا ہے۔ طلوع اسلام نے سوال یہ اٹھایا تھا کہ

> اگر کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ دونوں خدا کی وحی تھیں۔ دونوں کی اطاعت تمام مسلمانوں کے لئے قیامت تک کیلئے فرض تھی۔ اگر دین ان دونوں کے مجموعہ سے مکمل ہوتا تھا۔ تو جہاں رسول اللہؐ نے قرآن ایک جامع شکل میں محفوظ کرکے امت کو دیا، وہاں حضورؐ نے اپنی احادیث مقدسہ کا ایک مستند مجموعہ امت کو کیوں نہ دیا تاکہ اس میں کسی کو شک و شبہ ہی نہ رہتا کہ رسول اللہؐ کی سنت کیا ہے اور ہمیں کس چیز کی اطاعت کرنی ہے۔

یہ ایک خالص علمی اور دینی سوال تھا جسے طلوع اسلام نے قوم کے تمام علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کا جواب تو آج تک کسی نے دیا نہیں لیکن طلوع اسلام پر گالیوں کی بوچھار چاروں طرف سے شروع ہو گئی۔

دوسرا سوال طلوع اسلام نے یہ پیش کیا تھا کہ

> اگر رسول اللہ کے ارشادات وحیٔ خداوندی تھے اور قیامت تک کے لئے غیر متبدل رہنے تھے تو خلفائے راشدین (بالخصوص حضرت عمرؓ) نے ان میں سے بعض میں تبدیلیاں کیوں کیں اور اضافے کیوں فرمائے؟

اس کا اعتراف تو ہر ایک نے کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایسا کیا تھا لیکن اس سوال کا جواب کسی نے نہیں دیا۔ پھر طلوع اسلام نے یہ سوال پیش کیا تھا کہ

> آج جبکہ حالت یہ ہے کہ حدیث کی صحیح ترین کتابوں کے متعلق، خود حدیث کو ماننے والے ذمہ دار حضرات تک کو بھی اعتراف ہے کہ ان میں صحیح اور غلط دونوں قسم کی احادیث ہیں۔ اور صحیح حدیثوں میں بھی یہ فرق کرنا ہو گا کہ حضورؐ نے فلاں کام اپنی بشری حیثیت سے کیا اور فلاں ارشاد دینی حیثیت سے فرمایا۔ تو اس بات کو کس طرح متعین کیا جائیگا کہ وہ صحیح سنت رسول اللہؐ جس کی اطاعت فرض ہے، کونسی ہے اور کس کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اسے متعین کرے اور اس کا فیصلہ ساری امت کے لئے واجب التعمیل ہو جائے۔

اس سوال کو طلوع اسلام نے اپنی ۲ر اپریل ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں (لمعات میں) پیش کیا تھا اور اس سلسلہ میں اپنے خیال کا بھی اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے امت کے تمام ارباب فکر و نظر سے درخواست کی تھی کہ وہ اس سوال پر غور کرکے ہمیں بتائیں

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

جاحظ

(تلخیص و ترجمہ۔ ضحی الاسلام۔ از علامہ امین احمد مصری)

نام و نسب، خاندان

جاحظ کا پورا نام ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی ہے یہ حبشی النسل تھا، اس کا دادا عمرو بن قلع کنانی کے اونٹوں کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ کنانی کا لقب اس کے دادا کو وہیں سے ملا۔ جو بعد میں جاحظ کے خاندان کے نام کا جزو بن گیا۔ جاحظ کی پیدائش کی صحیح تاریخ کا اب تک تعین نہیں ہو سکا۔ لیکن مورخین اس کی تاریخ وفات پر متفق ہیں جو ۲۵۵ھ ہے اس نے ۹۶ برس کی عمر پائی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا سن پیدائش ۱۵۹ھ کے لگ بھگ ہے۔ اس کی پیدائش بصرہ میں ہوئی لیکن اس کی زندگی کا اکثر حصہ بغداد میں بسر ہوا اس کی پیدائش کے وقت بغداد علم و فن کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جہاں سے ان کی شعاعیں دور دور پہونچ رہی تھیں جاحظ نے جب ہوش سنبھالا تو اس نے اپنے ارد گرد ہر فن کے ماہر علما اور فضلا کو موجود پایا جن سے وہ بڑے ذوق شوق سے استفادہ کرنے لگا۔

اساتذہ

اس کے اساتذہ میں ابو عبیدہ، اصمعی، اخفش اور نظام جیسے کاملین فن کے نام ملتے ہیں یوں تو اس نے اپنے زمانہ کے ہر مشہور عالم سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا مگر اس کے ذہن پر اس کے استاد نظام کا بہت اثر پڑا۔ نظام نے بھی بڑی محنت اور جانفشانی سے جاحظ کو تعلیم دی اور اس کی ذہنی اور دماغی تربیت کی طرف خاص توجہ دی جس کی وجہ سے جاحظ بالکل نظام کے رنگ میں رنگ گیا نظام اپنے زمانہ کا نہ صرف مانا ہوا معتزلی تھا بلکہ اس کا شمار معتزلہ کے اماموں میں ہوتا تھا۔ جاحظ نظام سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اس لئے اس پر بھی اعتزال کا گہرا رنگ چڑھ گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں شاگرد استاد سے بہت بڑھ گیا۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

تحصیل علم کا شوق

جاحظ کو بچپن ہی سے گوناگوں علوم و فنون حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ کتابوں کے مطالعہ کا تو اسے جنون سا تھا، اسے جو کتاب مل جاتی وہ اسے شروع سے آخر تک پڑھ کر ہی دم لیتا تھا۔ وہ اکثر بغداد کے کتب فروشوں سے کرایہ پر کتابیں لے آیا کرتا تھا، اور ساری ساری رات مطالعہ میں مشغول رہتا تھا، اس کثرت مطالعہ کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں اسے مختلف قسم کے علوم و فنون پر عبور ہو گیا۔ تحصیل علم کے ساتھ ساتھ اس نے دنیا بھر کے تمدن اور ثقافت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش شروع کی۔ جس میں اسے خاص کامیابی ہوئی۔ مختلف ملکوں کے رسم و رواج، رہن سہن اور معلومات ثقافت کا حال معلوم کرنے کے شوق میں یہ اکثر تجارتی مرکزوں اور منڈیوں کے چکر لگایا کرتا تھا۔ کیونکہ ان مقامات پر مختلف ممالک کے تاجر خرید و فروخت کے لئے آیا کرتے تھے۔ عربوں کی ثقافت اور ان کے تہذیب و تمدن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے وہ اونٹوں کی منڈیوں میں چلا جاتا تھا۔ جہاں عرب تاجر اونٹوں کی خرید و فروخت کے لئے اکثر آیا کرتے تھے، اونٹوں کی منڈی میں اسے عرب خانہ بدوشوں اور عرب تاجروں سے ملنے ملانے کا کافی موقعہ ملا۔ وہ غیر ملکوں سے آنے والے فلاسفہ، حکماء اور مختلف علوم و فنون کے ماہروں سے بھی ملاقاتیں کیا کرتا تھا۔ اور ان سے طرح طرح کے سوالات کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کیا کرتا تھا۔ اسی زمانہ میں اس کی ملاقات نامور عرب علماء اصمعی اور ابو زید اور مشہور یونانی فلاسفہ سلمویہ اور بختشوع وغیرہ سے ہوئی۔ ان علماء سے جاحظ نے کافی استفادہ کیا ہے۔ جس کا ثبوت اس کی تصانیف سے ملتا ہے۔ ایرانی ثقافت کے بارے میں اس نے بغداد آنے والے ایرانیوں سے کافی معلومات حاصل کیں اور اس کے علاوہ ابن مقفع اور ابو عبیدہ جیسے علماء کی تصانیف کے مطالعہ سے بھی ایرانی ثقافت کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوئی۔

تاریخی دور

جاحظ جس زمانہ میں پیدا ہوا وہ تاریخ کا اہم ترین دور تھا بغداد عروس البلاد بنا ہوا تھا۔ اور وہاں ہر طرف علم و فن کا چرچا تھا جب وہ بچہ تھا تو عباسی خلیفہ مہدی بغداد کا حکمراں تھا جب وہ جوان ہوا تو ہارون الرشید بغداد کا حاکم تھا، اس کے بعد اس نے مامون کو بھی تخت نشین ہوتا دیکھا پھر امین اور مامون کی جنگ اس کے سامنے ہوئی، اس کے دیکھتے ہی دیکھتے معتزلہ نے ترقی کے ایسے اعلیٰ منازل طے کر لئے کہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اس نے نہ صرف اس زمانہ کی فکری اور علمی تحریکات کے اتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کیا بلکہ وہ خود ان فکری اور علمی تحریکات میں کسی نہ کسی حیثیت سے شریک رہا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ہارون، امین، مامون معتصم، واثق، منتصر، مستعین، معتز اور مہدی کو بغداد کے تخت پر بیٹھتے دیکھا۔ اور ان کے عروج و زوال کا مشاہدہ کیا، اس نے مامون کے زمانہ میں معتزلہ کا اثر و رسوخ بھی دیکھا اور متوکل کے زمانہ میں ان کی تباہی و بربادی بھی، مستعین اور منتصر کی ذلت و خواری کا سماں بھی اس کی نظروں کے سامنے گزرا، غرض کہ اس نے اپنی ۹۶ سالہ زندگی میں جس قدر پیچ و خم اور اتار چڑھاؤ اور جو واقعات اس کی نظروں کے سامنے گذرے، ویسے واقعات عام طور سے کسی ایک شخص کی زندگی میں مشکل سے پیش آتے ہیں۔ جاحظ نے جتنے آدمیوں کو بنتے بگڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔ اس کی ۹۶ سالہ زندگی در اصل دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کے اوائل کی تاریخ کا عکس ہے اگرچہ اس زمانہ میں ملوکیت کی مفاد پرستیاں ہر وقت فضا میں ارتعاش پیدا کرتی رہتی تھیں! بایں ہمہ اس دور میں جو علمی اور فکری ترقیاں ہوئی ہیں۔ تاریخ میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ یہ تھا وہ ماحول جس میں جاحظ گھرا ہوا تھا، اور اس کے اندر وہ تحصیل علم میں ہمہ تن مصروف تھا۔

غربت

چونکہ یہ نہایت غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے اسے حصول علم کے راستے میں بڑی دشواریاں پیش آتی تھیں لیکن چونکہ اس کی طلب صادق تھی۔ اس لئے اس نے کسی قسم کی رکاوٹ کی کوئی پروا نہ کی اور مردانہ وار ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرتا رہا اس پر اکثر فقر و فاقہ کا دور بھی گزر ا ہے لیکن اس نے ہنسی خوشی یہ سخت زمانہ بھی گزار دیا۔

حصول رزق کے لئے

بارہا اسے حصول معاش کی خاطر بازاروں میں پھیری کر کے مچھلیاں اور روٹیاں فروخت کرنی پڑیں۔ لیکن اس زمانہ میں بھی وہ حصول علم کے لئے غافل نہ ہوتا تھا۔ وہ مچھلیاں اور روٹیاں ایسے علاقوں میں فروخت کرتا تھا۔ جہاں علماء اور فضلا رہا کرتے تھے۔ وہ چلتے پھرتے ان علماء و فضلا سے باتوں ہی باتوں میں کچھ نہ کچھ سیکھ لیتا اور صدہا علمی مسائل حل کر لیا کرتا تھا، اس کوچہ گردی سے جاحظ کو ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ آزادی سے ہر مکتب خیال اور ہر مدرسہ فکر کے علماء سے کچھ نہ کچھ حاصل کر سکا۔ ورنہ بغداد کا یہ عام دستور تھا کہ کسی ایک عالم کے حلقے کا کوئی شخص کسی دوسرے عالم کے پاس استفادے کے لئے نہیں جا سکتا تھا کیونکہ ہر عالم نے بغداد میں اپنی پارٹی بنا رکھی تھی! اور کوئی شخص ایک ہی وقت میں دو پارٹیوں سے متعلق نہیں رہ سکتا تھا۔

پارٹی بازی

چنانچہ اس وقت کے علماء دربار میں اثر و رسوخ حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف رہا کرتے تھے، اس لئے ان میں آپس میں ہمیشہ چلتی رہتی تھی۔ علماء کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ کی تکفیر کر کے اسے عوام اور خلیفۂ وقت کی نظروں میں ذلیل کرنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ جاحظ چونکہ مچھلیاں اور روٹیاں بیچا کرتا تھا اور اس کا تعلق کسی اونچے گھرانے سے نہیں تھا! اس لئے بغداد کا کوئی عالم اسے اپنی پارٹی میں شامل کرنے کا خیال تک بھی دل میں نہیں لاتا تھا۔ اس سے جاحظ کو بڑا فائدہ پہنچا اور وہ روٹیاں بیچتے ہوئے ایسے ایسے علماء کے پاس پہونچ جاتا تھا۔ جن کے پاس عام حالات میں پہونچنا ناممکن تھا۔ اگر جاحظ کسی ایک گروہ یا دھڑے بندی میں شریک ہو جاتا تو وہ بہت سے ایسے علوم و فنون سے محروم رہ جاتا، جو دوسرے گروہ کے علماء کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے اس نے حاصل کئے۔

حصول علم کا نیا طریقہ

روٹیاں بیچتے بیچتے اس نے حصول علم کا ایک نیا طریقہ دریافت کیا۔ وہ یہ کہ اس نے بغداد کے خوش نویسوں اور خطاطوں سے خوش نویسی سیکھنی شروع کی، تھوڑے ہی دنوں میں اس نے خوش نویسی میں مہارت حاصل کر لی اور پھر روٹیوں اور مچھلیوں کی فروخت چھوڑ کر کتابت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اس سے اسے یہ فائدہ ہوا کہ

اس زمانے کے بڑے بڑے مصنفین اور مایۂ ناز علماء کی تصانیف اس کی نظر سے گذرنے لگیں۔ اس طرح وہ اپنی روزی بھی کماتا تھا۔ اور ہر روز اس کے علم میں اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ کتابت سے اس کے ذہن کو جلا ہوئی۔ اور کتابت کرتے کرتے خود اسی کے ذہن میں تصنیف وتالیف کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے شروع شروع میں چھوٹے چھوٹے ادبی مضامین لکھنے شروع کئے۔ اور پھر تھوڑے ہی دنوں میں کتابت کا پیشہ چھوڑ کر اپنی پوری توجہ تصنیف وتالیف کی طرف مبذول کردی اور متنوع علوم وفنون کی کتابیں اہل بغداد کے سامنے پیش کرنی شروع کردیں۔ اس کا طرز تحریر اس قدر دلنشین اور پیارا تھا کہ اس کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ بکیں اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کرلی

دینی تعصب

چونکہ جاحظ اپنے استاد نظام سے بہت متاثر تھا۔ اور وہ فکری اور ذہنی طور پر بالکل نظام کا پیرو تھا۔ اس لئے کچھ دنوں بعد اس نے اپنی ادبی روش سے ہٹ کر معتزلہ کی تعلیمات اور افکار کو پیش کرنا شروع کیا۔ چونکہ یہ زمانہ معتزلہ کے عروج کا تھا۔ اس لئے اس کی کتابیں پہلے سے بھی زیادہ مقبول ہوئیں۔ ایک تو جاحظ کا طرز تحریر اور پھر اس کے معتزلانہ خیالات، اس دو آتشہ نے عوام کے اور خواص دونوں کو جاحظ کا بے حد گرویدہ بنادیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جاحظ نے وہ عزت وشہرت حاصل کرلی جو اس سے پہلے کسی کے حصہ میں نہیں آئی تھی۔ مالی اعتبار سے بھی اس نے بڑی ترقی کی۔ یا تو اس پر وہ زمانہ گزرا تھا کہ وہ سر پر روٹیاں اور مچھلیاں رکھ کر بیچا کرتا تھا۔ یا اس کا وہ زمانہ بھی آیا جب اس کے پاس اس قدر دولت تھی کہ وہ اس کا خود بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اس کے پاس بے شمار باغات، محلات اور کھیت تھے۔ بغداد میں ہیلو کی لکڑی بہت قیمتی سمجھی جاتی تھی۔ جاحظ نے لوگوں پر اپنی امارت کا سکہ بٹھانے کے لئے اپنی رہائش گاہ کے دروازے اور کواڑیں ہیلو کے درخت سے بنوائی تھیں ماہر سے ماہر معمار برابر اس کے مکانوں کی دیکھ بھال اور درستگی میں لگے رہتے تھے۔ وہ ایسے نوکر چاکر ملازم رکھتا تھا اور ایسے غلام اور لونڈیاں خریدتا تھا جو بادشاہوں کی خدمت میں رہ چکے ہوتے تھے۔

وزراء اور سلاطین سے میل جول

اس کے ملنے والوں میں امراء، سلاطین، وزراء، اور شرفاء کی بہت بڑی تعداد تھی۔ متوکل کے ترکی نژاد وزیر فتح بن خاقان سے اس کی بہت دوستی تھی، اس دوستی کی بناء پر اس نے ترکوں کی بہادری اور شجاعت کے بارے میں ایک دلچسپ رسالہ لکھا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ کی حکمران قوم کا یہ قاعدہ تھا کہ اس کے دربار اور فوج میں ادباء، علماء، متکلمین فلاسفہ، شعراء، اور مورخین وغیرہ کی ایک جماعت ہا کرتی تھی جو حکمران طبقہ کے افراد اور ان کے فرقہ اور قبیلہ کے لوگوں کی عظمت اور برتری کی داستانیں مرتب اور مدون کیا کرتے تھے۔

ترک اور جاحظ

ترکوں میں علماء کی بڑی کمی تھی۔ چنانچہ ان کی بہادری اور شجاعت کی داستانیں لکھنے والا کوئی نہ تھا۔ فتح بن خاقان نے جاحظ سے ایک ایسا رسالہ لکھنے کی فرمائش کی جس میں ترکوں کی بہادری، شجاعت اور جوانمردی کی داستانیں تفصیل سے بیان کی جائیں۔ جاحظ نے اس کی بات مان لی اور بڑے ہی دلچسپ اور دلنشین انداز میں ترکوں کی بہادری کے متعلق ایک رسالہ ترتیب دیا۔ اس رسالہ میں جاحظ نے اپنی عقل وفہم اور اپنے فلسفے کا پورا زور صرف کردیا۔ اور اپنے زور قلم سے یہ ثابت کردیا کہ دنیا میں ترکوں سے زیادہ شجیع اور بہادر قوم کوئی ہو نہیں سکتی۔ اس رسالہ میں جاحظ نے جو کچھ لکھا تھا۔ اگرچہ وہ اس کے مندرجات سے خود متفق نہیں تھا لیکن اس نے فتح بن خاقان کی دوستی کا حق ادا کردیا۔ اس رسالہ میں جاحظ نے ترکوں کی طرف سے ان سارے اعتراضات کا بڑی خوش اسلوبی سے جواب دیا۔ جو عربوں اور ایرانیوں کی طرف سے ترکوں پر کئے جاتے رہے تھے۔ جاحظ نے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے ترکوں کو خارجیوں سے بھی زیادہ بہادر وشجیع ثابت کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ تاریخ آج تک خارجیوں سے زیادہ بہادر انسان نہیں پیش کرسکی۔ وہ رسالہ کو معتصم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کی رائے ترکوں کے بارے میں اچھی نہیں تھی۔ گو یہ رسالہ معتصم تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ دربار کے عرب اور ایرانی نہیں چاہتے تھے کہ معتصم اسے دیکھ پائے۔ اس لئے کہ انہیں ڈر تھا کہ انھوں نے معتصم کے کانوں میں ترکوں کی جو برائیاں ڈالی ہیں اور اس کو ترکوں کا دشمن بنادیا ہے۔ اس سے ان کا اثر کم ہوجائے گا۔ عرب اور ایرانی درباریوں کو اس میں ضرور کامیابی ہوئی کہ انھوں نے جاحظ کا رسالہ معتصم تک نہ پہونچنے دیا۔ مگر ترکوں کو اس سے ایک بہت بڑا فائدہ ضرور پہونچ گیا کیونکہ ان کی شجاعت اور بہادری کی ایک عمدہ تاریخ مرتب ہوگئی۔ جاحظ نے اس رسالہ میں عصبیت کی خرابیاں تفصیل سے بیان کی ہیں، اور عربوں، ایرانیوں اور ترکوں کو ایک قوم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس نے جابجا عصبیت کو ہلاکت کا راستہ بتایا۔ اس کی یہ دلی خواہش تھی۔ کہ عرب ایران اور ترکی آپس میں لڑنا بھڑنا چھوڑ کر متفقہ طور سے ملک کو ترقی دینے اور مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ متوکل کے ترکی وزیر خاقان اور جاحظ نے اس عقیدے کو پھیلانے کی بڑی کوشش کی کہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ مگر اس زمانہ کی سیاست کچھ اس قسم کی تھی کہ جاحظ اور ابن خاقان کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی جس کے نتیجے میں عربوں اور ایرانیوں کو جس تباہی وبربادی کا سامنا کرنا پڑا اس سے تاریخ کے صفحات خون آلودہ ہیں۔

سیر وسیاحت

چونکہ جاحظ کا ملنا جلنا، امراء، سلاطین اور وزراء وغیرہ سے تھا۔ اس لئے اسے اکثر سفر درپیش ہوا کرتا تھا۔ یوں وہ خود بھی طبعی طور پر سیر وسیاحت کا شائق تھا، اس لئے وہ سفر کے بہانے تلاش کیا کرتا تھا۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ وہ جم کر کسی ایک جگہ بیٹھتا ہو۔ وہ اکثر سفر میں ہی رہا کرتا تھا۔ اس سیر وسیاحت سے جاحظ کا مقصد جہاں تفریح ہوتا تھا۔ وہاں اس کے پیش نظر حصول علم اور معلومات میں اضافہ بھی ہوا کرتا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا کچھ نہ کچھ نئی معلومات اور نئے علوم وفنون سے واقفیت حاصل کرتا۔ وہ وہاں کی تہذیب وثقافت، رسم ورواج، اخلاق وعادات، بول چال اور رہن سہن وغیرہ کا حال تفصیل سے معلوم کرتا اور خود ان چیزوں کا ذاتی مشاہدہ کرتا۔ یہ معلومات اور مشاہدات اس کے ذاتی تجربات پر مبنی ہوتے تھے جو کتابوں کے مطالعہ سے معلوم نہیں ہوسکتے تھے، وہ اس قسم کے مشاہدات تجربات اور معلومات کو بڑے اچھے انداز میں قلم بند کیا کرتا تھا۔ اور اس طرح ایک اچھی خاصی تصنیف وجود میں آجاتی تھی جاحظ کا ہر سفر ایک نئی کتاب کی تمہید ہوا کرتا تھا۔

دائرۃ المعارف

جاحظ نے جس قدر مختلف النوع عنوانات پر کتابیں لکھی ہیں، اس کی مثال کم از کم خود جاحظ کے زمانہ میں ناپید تھی۔ اس نے اپنے زمانہ کے ہر قسم کے مروجہ علوم وفنون پر ہزاروں صفحات لکھنے کے علاوہ خود اپنے طور سے نئے نئے عنوانوں اور نئے نئے موضوع تلاش کرکے ان پر بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کی تمام تصنیفات کو اگر جمع کیا جائے تو وہ ایک ایسی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) بن جاتی ہے۔ جو اگرچہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب نہیں کی گئی۔ مگر وہ اپنی جگہ پر مکمل انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جس میں سب کچھ موجود ہے۔

اسلوب نگارش

اس کا اپنا ایک خاص طرز نگارش اور اسٹائل تھا، جو اسے اس کے معاصر مصنفین اور مؤلفین سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کے طرز نگارش میں اس کی شخصیت پوری طرح جھلکتی ہے، اس کا اسلوب تحریر اس قدر اچھوتا اور نادر ہے کہ کوئی شخص جسے عربی ادب سے لگاؤ ہے۔ وہ آسانی سے اس کے مضامین کی نشاندہی کرسکتا ہے۔ جاحظ ایک ایسا صاحب طرز انشاپرداز ہے۔ جس کے اسلوب اور طرز نگارش کی نقل کرنے کی کوششیں اب تک جاری ہیں مگر کوئی شخص اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا۔

نئی راہ

یہ بات جاحظ کی فطرت میں داخل تھی کہ وہ کسی کی تقلید کسی حال میں بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنے لئے خود نئی نئی راہیں نکالتا تھا۔ اپنے عقل ودماغ سے کام لے کر اپنے لئے نئے راستے تلاش کرلیتا تھا۔ وہ احادیث وتفاسیر کے علاوہ ادب ولغت میں بھی اپنے معاصر علماء کے بنائے ہوئے قواعد وقوانین کی پابندی کو اپنی کسر شان سمجھتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنی تحریروں کو اس قدر شگفتہ، واضح، صاف وشستہ اور آسان ترین بنائے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس سے مستفید ہوسکیں۔ مغلق عبارتوں، دور از کار تشبیہوں اور ثقیل الفاظ کے استعمال سے وہ ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ اپنی تحریروں کو شگفتہ بنانے کے لئے وہ اکثر مزاحیہ واقعات اور جملے استعمال کرتا تھا۔ اس کی یہ پوری کوشش ہوتی کہ خشک سے خشک موضوع کو بھی ایسے دلنشین انداز میں پیش کیا جائے کہ لوگ بغیر اکتاہٹ اور بددلی کے اس کا پورا مضمون پڑھ لیں وہ تلخ سے تلخ بات کو اس قدر شیریں انداز سے کہہ جاتا ہے کہ بے اختیار عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے، وہ کونین کو شکر کی گولی میں لپیٹ کر پیش کرنے کا قائل تھا۔

خاص خوبی

اس کے طرز تحریر کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی کوئی ایسی کتاب پڑھ رہا ہے، جس میں اس نے بہت سے عبرت انگیز واقعات جمع کر دیئے ہیں۔ قریب ہو کہ قاری ان واقعات سے متاثر ہو کر رونا شروع کر دے تو عین اس مقام پر جاحظ ایک نیا رخ اختیار کرتا ہے۔ وہ کوئی ایسی دلچسپ بات کہہ دیتا ہے، جس سے روتا ہوا شخص بے اختیار ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ ایک مشفق استاد کی طرح اپنے قاری کی انگلی پکڑ کر آہستہ آہستہ سہارا دیتا ہوا لے چلتا ہے۔ جہاں اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قاری کے ذہن پر بوجھ پڑنے لگا ہے یا وہ کچھ بے کیفی محسوس کرنے لگا ہے۔ وہ فوراً ایسی بات کہہ جاتا ہے جس سے اس بے دلی اور بے کیفی کا خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے قاری پر جو اثر قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس میں وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ جاحظ کے متعلق مشہور مورخ مسعودی کا یہ قول اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے کہ "جاحظ سے بڑے عالم اور مصنف کا مجھے پتہ نہیں۔ اس کے اپنے خاص خیالات و مسلک اعتزال کے باوجود اس کی باتیں کانوں کے پردے تک پہنچا دیتے ہیں کیونکہ اس کی عبارت نہایت منظم مرتب ہوتی ہے۔ اس کا زور بیان قابل داد اور دل نشین ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ کے انتخاب کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں پر قاری کا ذہن الجھنے لگا ہے اس مقام پر خشکی محسوس ہو گی۔ تو وہ فوراً سنجیدگی اور متانت کو بالائے طاق رکھ کر مزاح اور ظرافت پر اتر آتا ہے:

طریقہ تصنیف و تالیف

اس تصنیف و تالیف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی کسی بات یا کسی نظریہ کے پیش کرتے وقت سب سے پہلے قرآن کی آیتوں سے استدلال کرتا تھا۔ پھر وہ تورات و انجیل وغیرہ کے حوالے دیا کرتا تھا۔ اس کے بعد حدیث اور خبر کو بطور دلیل پیش کیا کرتا تھا اور سب سے آخر میں شعرائے عرب کے اشعار اور ضرب الامثال کے حوالے دیا کرتا تھا۔

عقل کی کسوٹی

شروع ہی سے اس کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ کسی ایسی بات کو کبھی نہیں مانتا تھا۔ جو عقل کی کسوٹی پر پوری نہ اترتی ہو۔ وہ اپنی ہر ہر سطر کو عقلی طور پر جانچ لیتا تھا۔ تب لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔ چونکہ اس نے دور دراز کے بری اور بحری سفر کئے تھے حکما، عقلاء، اور علماء سے ملاقاتیں کی تھیں، جنگلوں صحراؤں اور بیابانوں کو دیکھا تھا۔ وادیوں اور گھاٹیوں کی سیر کی تھی اس لئے اس کی نظر بہت دور رس اور اس کا تجربہ نہایت وسیع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی واقعہ کو بھی بغیر غور و فکر کئے اور بغیر جانچے پرکھے قبول نہیں کرتا تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ ہر نئی چیز کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کرتا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح شک و شبہ کے اظہار سے شے کی اصل حقیقت واضح ہو کر سامنے آ جائے گی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ہر چیز کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھو تاکہ اصل حقیقت واضح ہو کر تمہارے سامنے آ جائے۔

حقیقت کی چھان بین

اسے تحقیق حق اور اصل حقیقت کے دریافت کرنے اور شے کی حقیقت تک پہنچنے کا اسی قدر شوق تھا کہ وہ معمولی سے معمولی چیزوں کی تحقیق و تفتیش میں کئی کئی راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دیتا تھا۔ جب وہ اپنی کتاب "الحیوان" مرتب کر رہا تھا تو اس کو تمام جانوروں کی نفسیات اور میلانات کے معلوم کرنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ اس نے محض اس لئے کہ اس کی کتاب میں کوئی نقص باقی نہ رہ جائے ہر قسم کے چرندوں اور پرندوں کو تلاش کر کے ان کا تفصیلی حال معلوم کیا۔ اور ان کے عادات و اطوار کا پتہ چلایا۔ اس کے لئے اس نے جنگلوں اور صحراؤں اور نخلستانوں کے بیسیوں چکر لگائے۔ ارسطو نے بھی جانوروں کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کی یہ کتاب بالعموم جاحظ کے سامنے رہتی تھی۔ اس نے جب اپنی کتاب "الحیوان" مرتب کر لی۔ تو اس میں اس نے ارسطو کے بہت سے نظریات کو غلط ثابت کر دیا اور یہ لکھا کہ "ارسطو نے بغیر چھان بین کئے اور بغیر اپنی عقل سے کام لئے سنی سنائی اور عام لوگوں کی بیان کی ہوئی باتیں بیان کر دی ہیں"۔

جاحظ اور اعتزال

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جاحظ نے اپنے زمانے کے نامور علماء و فضلاء سے ادب، انشا، بلاغت، صرف و نحو اور دوسرے علوم و فنون حاصل کئے تھے۔ فلسفہ اور علم کلام کا درس اس نے مشہور معتزلی علاف کے شاگرد رشید ابو الحسن نظام سے لیا۔ جس طرح نظام اپنے استاد علاف سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ مسلک اعتزال میں علاف کی زبان بن گیا تھا۔ اسی طرح جاحظ نے نظام کا اتنا اثر لیا کہ وہ نظام کے نقش قدم پر چلنے ہی میں فخر و مباہات محسوس کرنے لگا۔ نظام نے بھی پوری توجہ اور محنت سے جاحظ کی ذہنی اور دماغی تربیت کی جس کی وجہ سے جاحظ نہ صرف نظام کا مثنیٰ بن گیا بلکہ وہ کئی چیزوں میں اپنے استاد سے بھی بازی لے گیا۔ نظام کا انتقال جوانی میں ہی ہو گیا تھا اس لئے اسے اپنے مسلک کی تبلیغ و اشاعت کا موقعہ نہیں مل سکا۔ لیکن اس کے لائق اور ہونہار شاگرد جاحظ نے اس کمی کو پوری طرح دور کر دیا۔ اس نے مسلک اعتزال پر اس کثرت سے کتابیں لکھیں اور سلسلہ مضامین شروع کیا کہ وہ اپنے زمانہ میں معتزلہ کا دل و دماغ اور ان کی زبان سمجھا جانے لگا۔ اس نے معتزلیوں کی بڑائی اور برتری ثابت کرنے کے لئے اپنے زمانہ کے علماء و فضلاء سے بحث و مباحثے بھی شروع کر دیئے اور ان اعتراضات کے جواب بھی دیئے جو معتزلہ پر ہوا کرتے تھے

تعصب کی قربان گاہ پر

اس کی ساری عمر بحث و مناظرہ میں گذری ہے۔ اس نے مسلک اعتزال پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں لیکن برا ہو تعصب اور تنگ نظری کا کہ اس کے مخالف علماء نے سیدھے سادے عوام کو بہکا کر اس کی تصانیف اور اس کے مضامین ضائع کرا دیئے صاحب الفہرست ابن ندیم اور صاحب کشف الظنون خلیفہ چلپی وغیرہ بڑی تحقیق و تفتیش کے بعد مسلک اعتزال سے متعلق اس کی بہت سی کتابوں کے ناموں کا پتہ چلا سکے، چنانچہ اعتزال سے متعلق جاحظ کی کتابوں کے صرف نام تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ البتہ اس کے ہم عصر علماء نے اپنی کتابوں میں اس کی تردید کرتے ہوئے اس کے جو اقوال نقل کئے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی ان کتابوں میں کیا کچھ ہو گا۔ مسلک اعتزال سے متعلق اس کی کتابیں۔ "الاعتزال و فضلہ علی الفضیلہ" "الاستطاعۃ وخلق الافعال" "خلق القرآن" اور "فضیلۃ المعتزلہ" وغیرہ کے اب صرف نام ہی نام باقی رہ گئے ہیں یہ سب کی سب اس کے ہمعصر علماء کے مذہبی تعصب کی قربان گاہ پر چڑھ گئی ہیں۔

جاحظ کی خصوصیتیں

اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ ہر شخص کسی ایک فن کی تکمیل کرتا تھا۔ اور اسی میں داد تحقیق دیتا تھا، منطقی فلسفے سے واقف نہیں ہوتا تھا۔ فلسفی کو ادب سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا تھا، محدث کو مفسر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ غرض کہ ایک شخص کسی ایک ہی فن میں کمال حاصل کرتا تھا۔ لیکن جاحظ اور اس کے استاد ابو الحسن نظام ایسے شخص گذرے ہیں۔ جو ایک ہی وقت میں محدث بھی تھے اور مفسر بھی، ادیب بھی تھے اور فلسفی بھی منطقی بھی تھے اور متکلم بھی، لیکن جاحظ بعض چیزوں میں اپنے استاد سے بھی بڑھ گیا تھا، اس کا دلچسپ طرز تحریر اور دل نشین اسلوب بیان اسے اپنے استاد نظام اور دوسرے تمام معاصرین سے ممتاز کرتا ہے۔ فلسفہ میں بھی وہ اپنے استاد سے بہت بڑھ گیا تھا۔ جاحظ نے فلسفہ میں ادب کو شامل کر کے ایک ایسی دلچسپ راہ نکالی کہ جس سے فلسفہ کی خشکی اور عبوسیت کا خاتمہ ہو گیا۔

جاحظ اور احادیث

اس کا یہ عام اصول تھا کہ جو چیز عقل کے مطابق ہوتی تھی۔ اسے قبول کرتا تھا اور جو چیز خلاف عقل ہوتی تھی اسے رد کر دیتا تھا احادیث کے معاملہ میں بھی وہ اپنے اس اصول پر سختی سے کاربند تھا۔ وہ ہر حدیث کے بارے میں کافی چھان بین کرتا تھا۔ اور اسے عقل کی کسوٹی پر کستا تھا۔ اگر وہ حدیث عقل کے مطابق ہوتی تھی۔ تو اسے قبول کر لیتا تھا۔ ورنہ اس کی صحت سے انکار کر دیتا تھا۔ وہ غول بیابانی، بھوت پریت اور جن و پری کے واقعات بیان کرنے والوں کو عقل و خرد سے عاری سمجھتا تھا۔ اور انہیں احمق کہا کرتا تھا۔

جاحظ اور فقہائے مدینہ

ابھی حال ہی میں اس کے ایک رسالہ کا پتہ چلا ہے، جو شراب کے اقسام کے بارے میں ہے۔ اس رسالہ میں جاحظ نے اپنے زمانہ کی شرابوں کے اقسام اور ان کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ضمناً نبیذ کے حلال اور حرام ہونے کے متعلق دلچسپ بحث کی ہے، اس نے اپنے زور بیان اور منطقی دلائل سے نبیذ کی حلت ثابت کر دی ہے۔ اس نے نبیذ کی تعریف و توصیف میں اس قدر مبالغے سے کام لیا ہے کہ خمریات کے سب سے بڑے شاعر ابو نواس کو بھی پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اس نے بڑے سخت الفاظ میں فقہائے مدینہ کی تردید کی ہے، جو نبیذ کی حرمت کے قائل ہیں اور عراقی فقہا کی حمایت کی ہے جو نبیذ کو حلال کہتے تھے، عراقی

فقہا کی حمایت کرتے ہوئے جاحظ نے یہ لکھا ہے کہ شاید کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ہجرت مدینہ منورہ کے فقہاء کو اس کا زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی شے کے حلال یا حرام ہونے یا کسی شے کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کریں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ کسی متبرک شہر کے رہنے والوں کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی چیز کو حلال یا حرام کریں۔ کسی شے کا حلال یا حرام ہونا قرآن پاک، سنت، عقل صحیح یا قیاس معینہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں جاحظ نے فقہائے مدینہ پر طنز کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو شراب کے خالی برتنوں کو اٹھانے والوں پر حد جاری کرتے ہیں، اور اس کے جواز میں یہ کہتے ہیں کہ شراب کے خالی برتن "آلہ خمر" ہیں۔" فقہائے مدینہ کی اس دلیل کی روشنی میں یہ اصول مرتب کیا جاسکتا ہے۔ کہ اگر کسی شخص پر اس لئے حد جاری ہوسکتی ہے کہ اس کے ہاتھ میں شراب کا خالی برتن ہو۔ تو پھر وہ لوگ بھی مجرم قرار پائیں گے جن کے ہاتھ میں تلوار، چھری، زہر یا اسی قسم کی کوئی چیز موجود ہو کیونکہ یہ سب کی سب "آلہ قتل" میں داخل ہیں۔

اس مضمون کے خاتمہ پر جاحظ نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ بہرحال انسان ہیں وہ اگر مدینۃ الرسول میں پیدا ہوگئے۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حدود بشریت سے نکل کر ملاء اعلیٰ میں پہنچ گئے یا ان کا شمار فرشتوں میں ہونے لگے گا۔ وہ بھی ہمارے اور آپ کی طرح عام انسان ہیں، اس لئے ان سے بھی غلطیوں کا امکان ہے۔"

جاحظ اور عمل بالحدیث

اس رسالہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ جاحظ مختلف فیہ احادیث پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اگر کسی حدیث کے متعلق محدثین کی رائیں الگ الگ ہوتی تھیں اور محدثین کی ایک جماعت کسی حدیث کو غلط اور دوسری جماعت صحیح کہتی تھی یا کسی حدیث کے بارے میں کوئی اور اختلاف ہوجاتا۔ تو ایسے موقعہ پر وہ اپنی عقل سے کام لیتا تھا۔ اگر وہ حدیث عقل کے مطابق ہوتی تھی تو وہ اسے قبول کرلیتا۔ ورنہ رد کر دیتا تھا۔ اس نے نبیذ کی حرمت والی حدیث کو اسی لئے رد کر دیا تھا۔ اور عراقی فقہاء کی حمایت کی تھی کہ اس حدیث کے بارے میں فقہاء اور محدثین میں آپس میں سخت اختلاف تھا، چنانچہ اس نے اپنی عقل سے کام لے کر حدیث کی صحت سے انکار کر دیا۔

شرعی قوانین کی بنیاد

جاحظ کہا کرتا تھا کہ شرعی قوانین کے سلسلہ میں عقل سلیم ہی سب سے بڑی اساس ہے۔ قیاس کے بارے میں اس کا یہ قول بہت دلچسپ ہے کہ "قیاس وہ عقل ہے جسے فقہاء نے اپنی کتابوں میں قید کر رکھا ہے۔"

جاحظ اور محدثین

اس رسالہ میں جاحظ نے محدثین کے گروہ پر سخت سے سخت تنقیدیں کی ہیں اور ان کی غلطیاں نکالی ہیں چونکہ محدثین نے ہمیشہ معتزلہ کو ہدف ملامت بنایا اور وہ برابر ان کے پیچھے پڑے رہتے تھے۔ اس لئے معتزلہ نے بھی ان کی سخت مخالفت کی ہے۔ جاحظ کے قلم سے اس سلسلہ میں بہت سے مضامین نکلے ہیں جسے معتزلہ کے مخالفین نے نذر آتش کر دیا۔ تاریخ کے صفحات معتزلہ اور محدثین کے اختلافات اور ان کی لڑائیوں کے داستانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ فتنہ خلق قرآن کے موقعہ پر یہ اختلافات اپنی انتہا کو پہونچ گئے تھے۔

محدثین کے متعلق ریمارک

جاحظ محدثین کے متعلق کہا کرتا تھا کہ "یہ صرف حدیثوں کے جامع ہیں یہ جو کچھ روایت کرتے ہیں، اس کو خود بھی نہیں سمجھتے اپنی عقل سے تو یہ کام ہی نہیں لیتے مگر یہ احادیث بیان کرتے وقت اپنی عقل وخرد کو بھی کام میں لاتے اور دلائل وبراہین سے زیر بحث مسائل کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔ تو مسلمانوں کے اندر وہ اختلال وانتشار اور وہ اختلافات پیدا نہ ہوتے جن کی وجہ سے بہت سے فتنوں کے دروازے کھل گئے ہیں۔ محدثین نے صرف ظاہری الفاظ نقل کر دینے پر ہی اکتفا کی ہے۔ انھوں نے احادیث کے معانی پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ جس کی وجہ سے امت میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں اور اختلافات کے دروازے کھل گئے۔" آگے چل کر جاحظ نے لکھا ہے کہ "چونکہ عوام کو عجیب وغریب باتیں سننے میں بڑا مزا آتا ہے اس لئے محدثین کی عجیب وغریب باتیں تیزی سے پھیل گئیں۔ اگر محدثین ذرا بھی عقل کا سہارا لیتے تو اس سے بڑے فائدے ہوتے۔"

نوٹ

معتزلہ کون تھے، ان کا مسلک کیا تھا۔ ان میں اور محدثین میں جو آویزش تھی، اس کی بنیاد کیا تھی اور تفصیل کیا؟ یہ وہ امور ہیں جن کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے جسے کسی دوسری صحبت میں پیش کیا جائے گا۔ (طلوع اسلام)

بزم طلوع اسلام

بزموں کی اطلاعات اور روئداد کو اہتمام سے شائع کرنے کے لئے بزم طلوع اسلام کا جداگانہ عنوان قائم کیا گیا تھا۔ لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک تو بزموں کی تشکیل کے معاملے میں تساہل سے کام لیا جارہا ہے۔ دوسرے جو بزمیں معرض وجود میں آچکی ہیں۔ وہ باقاعدگی اور تفصیل سے اپنی روئداد ارسال نہیں کرتیں۔ اس سلسلہ میں پہلے بھی یاددہانی کرائی جاچکی ہے امید ہے کہ اب مزید یاددہانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ تمام بزموں کو چاہیئے کہ وہ ایک معین عرصے کے بعد ایک رپورٹ بھیجدیا کریں۔ جہاں بزمیں نہیں بنیں، اور کئی بڑے بڑے شہر ایسے ہیں جہاں ابھی تک بزمیں نہیں بنیں وہاں کے قارئین کو چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے سے رابطہ پیدا کر کے کم سے کم وقت میں بزم متشکل کریں تشکیل بزم کے لئے بڑی تعداد ارکان کی ضرورت نہیں۔ دو چار قارئین بھی مل کر ایسا کرسکتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ طلوع اسلام کا ہر پڑھنے والا اپنی جگہ قرآنی فکر کی نشر واشاعت کا سرگرم ہے لیکن جو کام متحد ومجتمع ہو کر کیا جاسکتا ہے۔ وہ متفرق نہیں کیا جاسکتا۔

مردان بزم طلوع اسلام مردان کا ذکر ان کالموں میں آچکا ہے یہ سب سے پرانی منظم اور فعال جماعت ہے۔ یہ بزم کوئی دو سال سے قائم ہے اور بڑی سرگرمی اور مستعدی سے قرآنی فکر کی ترویج میں مشغول ہے۔ اس کی طرف سے ہر روز ۸ بجے سے ۹ بجے شام تک درس قرآن دیا جاتا ہے، درس کا یہ سلسلہ تین سال سے جاری ہے اس وقت چوبیسواں پارہ زیر مطالعہ ہے۔ یہ درس ڈاکٹر نواب علی اور علی دو ساز ان کے احاطہ میں ہوتا ہے۔ بزم کو دار المطالعہ کے لئے مناسب جگہ نہیں مل سکی، چنانچہ اب فیصلہ کیا گیا ہے کہ فی الحال اسی احاطہ میں دار المطالعہ شروع کر دیا جائے۔ جب موزوں جگہ مل جائے گی تو اسے تبدیل کر لیا جائے گا۔

بزم متعدد پرچے طلوع اسلام کے خرید کر مفت تقسیم کرتی ہے۔ یہ پرچے لائبریریوں۔ اسکولوں یا ایسے افراد کے ہاتھوں تک پہنچائے جاتے ہیں جنھیں قرآنی فکر سے متعارف کرانا مقصود ہوتا ہے یا جو اس سے متعارف تو ہوتے ہیں لیکن پرچہ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے اسی طرح مطبوعات طلوع اسلام بھی مستحق لوگوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔ بزم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ مقامی کالج کے اسلامیات میں اول آنے والے طلباء کو مطبوعات طلوع اسلام انعام کے طور پر بھیجی گیا

بزم طلوع اسلام مردان کی سرگرمیاں دیگر بزموں کے لئے قابل تقلید ہیں۔

ہری پور طاہر انصاری صاحب ترجمان بزم طلوع اسلام ہری پور (مکان ۱۰۸ محلہ موتیاں) اطلاع دیتے ہیں کہ مقامی بزم کا اجلاس ۱۰ اپریل کو منعقد ہوا اور اس میں بعض علمی مسائل پر تبادلہ خیالات ہوا۔ اس تبادلہ خیالات کے سلسلہ کو ارکان بزم بڑا مفید سمجھتے ہیں، اور معلومات میں اضافہ کے لئے شوق سے اس میں شرکت کرتے ہیں۔

ڈیرہ غازی خاں دیر میں ہی سہی، ڈیرہ غازی خاں میں بالآخر بزم کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے۔ بزم کے ترجمان شیخ محمد اشرف صاحب پلیڈر بلاک ۲۷ ہیں۔ جو مقامی قارئین بزم کے رکن نہ بن سکے ہوں وہ ان سے رابطہ پیدا کریں۔ بزم کو چاہیئے کہ اولین فرصت میں لائبریری قائم کریں جو قرآنی فکر کی ترویج کا مرکز ہو۔ نیز ارکان وقتاً فوقتاً جمع ہوں اور مقامی حالات کے مطابق طلوع اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے ذرائع سوچیں اور ان پر عمل کریں۔

جھنگ مگھیانہ مظفر عباس قریشی صاحب ۱۰ اپریل کے اجلاس کی تفصیل کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ بزم نے متفقہ طور پر میر تجمل حسین صاحب کو ترجمان منتخب کیا ہے (بزم کا پتہ یہ ہے لال دھرم شالہ، جھنگ بازار، محلہ بھیرانہ، جھنگ مگھیانہ) جلسہ میں ترجمان صاحب، ظفر عباس صاحب قریشی اور مشتاق احمد صاحب نے مختلف موضوعات پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور تحریک طلوع اسلام کو فروغ دینے کے مسئلہ پر غور کیا۔

شیر شاہ کالونی (کراچی) نواب دین بھٹہ صاحب امرتسری ترجمان اطلاع دیتے ہیں کہ شیر شاہ کالونی میں بزم کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے اور ارکان بڑی سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ بزم نے لائبریری بھی قائم کرلی ہے۔ جس میں ضرورت مند حضرات کے فائدہ کے لئے طلوع اسلام کی مطبوعات جمع کی گئی ہیں۔ بزم کی طرف سے وقتاً فوقتاً اجتماعات بھی ہوتے ہیں (بزم کا پتہ یہ ہے۔ نواب دین بھٹہ صاحب امرتسری ترجمان بزم طلوع اسلام شیر شاہ کالونی کراچی) کراچی کے دیگر علاقوں کو اس بزم کے تتبع میں علاقہ واری بزمیں قائم کرنی چاہئیں۔

"نقد و نظر" (صفحہ ۱۰ سے آگے)

کہ جو خیال ہم نے پیش کیا ہے اس میں کوئی غلطی ہے۔ اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

اس کا جواب بھی اس وقت تک کہیں سے موصول نہیں ہوا (حالانکہ جماعت اسلامی کے ارباب حل وعقد کو اس بارے میں ذاتی خطوط بھی لکھے گئے تھے۔)

ہم "سنت خیر الانام" کے فاضل مؤلف سے درخواست کریں گے کہ وہ مندرجہ صدر ہر سہ سوالات پر غور فرمائیں۔ اور اگر ان کے پاس ان کا جواب ہو تو وہ (خالص علمی انداز سے) اس جواب سے ہمیں سرفراز فرمائیں۔ اس کے لئے ہم ان کے شکرگزار ہوں گے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ہم سے متفق ہوں گے کہ اس قسم کے سوالات کا اٹھانا اور دینی اور علمی طریق سے ان کا حل طلب کرنا، یا حل سوچنا، کوئی ایسا جرم نہیں جس کی پاداش میں کسی کو ہدف سب و شتم بنا دیا جائے۔ جماعت اسلامی والے یہ کچھ اپنی مصلحتوں کے ماتحت کر رہے ہیں۔ انہیں یہ کچھ کرنے دیجئے۔ لیکن آپ تو ان کی "بھگدڑ" کا شکار نہ ہو جایئے۔ ہماری یہ درخواست صرف "سنت خیر الانام" کے مؤلف ہی سے نہیں ملک کے تمام سنجیدہ طبقہ سے ہے۔

آپ طلوعِ اسلام کی مدد کیسے کر سکتے ہیں

اپنے احباب کو طلوع اسلام کا خریدار بنایئے۔

اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے۔

کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام کا لٹریچر منگائے۔

ممکن ہو تو اپنے علاقے سے

طلوع اسلام کیلئے اشتہار مہیا کیجئے

طلوعِ اسلام کا دفتر

۲۲/۳۳ نیو کراچی ...
نمبر ۳۳ نیپیئر بارکس میں واقع ہے

صدر کی طرف سے آنے والے حضرات نیپیئر بارکس میں داخل ہو کر بجائے سیدھے جناح ہسپتال کی طرف جانے کے بائیں ہاتھ ڈرگ روڈ کی طرف مڑ جائیں تو تھوڑے فاصلہ پر بائیں ہاتھ کو پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے انکوائری آفس کے عقب میں طلوع اسلام کا دفتر ہے۔

اسی دفتر میں ہر اتوار کو صبح ۹ بجے

محترم پرویز صاحب

قرآن پر لیکچر دیتے ہیں

مطبوعاتِ طلوعِ اسلام

معراجِ انسانیت

(از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی ادبی کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش۔

قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم

از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۷۶ صفحات۔

قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان

اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت۔ علماء۔ اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ ۲۳۲ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراج پوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔

۱۴۸ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام

از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۲۲۵ صفحات　　قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے

روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔

چار سو آٹھ صفحات　　قیمت چار روپے

اسبابِ زوالِ امت

از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ۱۵۰ صفحات　　قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے

ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دورِ آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔

۵۷۴ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

مزاج شناسِ رسول

یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناسِ رسول مزاج شناس کون ہیں۔ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔

۸۴۴ صفحات اور قیمت فی جلد　　چار روپے

مقامِ حدیث

حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ ایک جا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں۔ ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات

اور قیمت فی جلد چار روپے

فردوسِ گم گشتہ

از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف ۴۱۶ صفحات۔ قیمت چھ روپے

نوادرات

از علامہ اسلم جیراجپوری
علامہ موصوف کے مضامین
کا نادر مجموعہ　　چار سو صفحات　　قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت

(از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر پہلو قرآنی آئینے میں۔ صفحات ۱۹۲

قیمت دو روپے

نوٹ

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوعِ اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱۳ - کراچی

تمنائے رسول اور القائے شیطان

(ابن آدم)

دابۃ الارض کی طرح یہ مضمون "تمنائے رسول اور القائے شیطان" بھی صدیوں سے ہمارے ہاں ایک دلچسپ چیستاں بنا ہوا ہے۔ سورۂ حج کی آیت ۵۲ رکوع ۷ میں اس مضمون کا ذکر یوں ہے۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن ثم یحکم اللہ آیتہ واللہ علیم حکیم۔

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے (اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے) کچھ پڑھا۔ تب ہی شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو (جوابات قاطعہ سے) نیست و نابود کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا اور خوب حکمت والا ہے۔

(ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

عام طور پر ہمارے مترجمین نے اسی قسم کے ترجمے کئے ہیں ان ترجموں میں جو خاص رجحان موجود ہے وہ ان مترجمین کا قصور نہیں، بہت پہلے سے تفسیروں اور شان نزول کی روایتوں نے اس قسم کا میلان و رجحان پیدا کر رکھا ہے کہ اس سے ہٹ کر غور و فکر اور تدبر کی جرأت ہی نہیں کی جا سکتی۔ ابن ابی حاتم، ابن جریر، بزار، بیہقی، ابن اسحاق، لبغوی اور قاضی عیاض وغیرہم نے آٹھ دس طریقوں سے قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ اس کی شان نزول بیان کی ہے ـــ ان سب کو بالفاظہٖ نقل کرنا باعث طوالت ہوگا۔ اس لئے ہم خلاصہ درج کرتے ہیں

حضورؐ سورہ نجم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت (افرأیتم اللات والعزّیٰ ٥ و مناۃ الثالثۃ الاخریٰ) پر پہنچے۔ تو شیطان نے سکتے یا توقف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیچ میں یہ جملہ ملا دیا کہ تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی (یعنی: یہ وہ جوان و جمیل بلند و بالا معبود ہیں اور بلاشبہ ان کی شفاعت کی توقع ہے۔ یہ سن کر تمام کفار قریش خوش ہو گئے کہ آج تو محمدؐ نے ہمارے معبودوں کی بھی تعریف کر دی۔ چنانچہ جب ختم سورہ کے بعد حضورؐ نے سجدہ کیا تو مسلمانوں کے ساتھ مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس کے بعد عام طور پر مشہور ہو گیا کہ حضورؐ (نعوذ باللہ) اسلامی توحید کو چھوڑ کر سابق دین پر آ گئے۔ یہ خبر رفتہ رفتہ حبشہ کے مہاجرین کو بھی پہنچی اور کچھ لوگ گھر واپس آ گئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ یعنی واقعہ یہ تھا کہ شیطان نے بیچ میں یہ فقرہ ملا دیا تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرما دی۔

اس روایت کو ہم نے دل پر بہت جبر کر کے نقل کیا ہے اور اس وقت اس پر کوئی تبصرہ کرنا بھی مقصود نہیں ہے۔ روایت کرنے والے اگر صرف یہ آیت

ان عبادی لیس لک علیھم سلطان

اے شیطان میرے نیک بندوں پر تیرا کوئی قابو نہیں چل سکے گا

دیکھ لیتے۔ یا خود شیطان کا یہ اعتراف

الا عبادک منھم المخلصین

تیرے مخلص بندوں پر میرا کوئی اثر نہ ہوگا

ملاحظہ فرما لیتے یا کچھ نہیں تو یہ حدیث

ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن قالوا وایاک یا رسول اللہ؟ قال وایای الا ان اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یأمرنی الا بخیر (رواہ مسلم عن ابن مسعود)

حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کے ساتھ اس کا ایک شیطان رفیق نہ لگا دیا گیا ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا حضورؐ کے ساتھ بھی کوئی شیطان لگا ہوا ہے؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لگا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو بخشا ہے۔ اور وہ مسلم (مطیع) ہو گیا ہے اور مجھے خیر کے سوا اور کسی بات پر نہیں اکساتا۔

اپنے سامنے رکھ لیتے۔ تو بات صاف ہو جاتی۔ خیر یہ غنیمت ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ بات بہ تکرار لکھ دی کہ

ھذہ کلھا مرسلات منقطعات غیر مسندۃ

یہ تمام روایتیں مرسل، منقطع اور بے سند ہیں

روایات کا احترام ہمارے نزدیک بھی کچھ کم ضروری نہیں لیکن جن روایات سے حضورؐ کی اصلی پوزیشن اور دین کی سپرٹ مجروح ہو رہی ہو۔ وہاں امام فخرالدین رازی کا اصول زیادہ قابل ترجیح ہے کہ

حضرت ابراہیمؑ کو دروغ گو مان لینے کی نسبت راوی کو جھٹلا ان لینا ہمارے لئے زیادہ آسان ہے۔

یہ بھی سن لیجئے یہ روایت "مضطرب" بھی ہے کسی میں ہے کہ حضورؐ کو اونگھ آ گئی اور شیطان نے زبان پر یہ کلمات (تلک الغرانیق العلیٰ الخ) جاری کرا دیئے۔ کسی میں ہے کہ شیطان نے (حضورؐ کی آواز بنا کر) یہ کلمات کہہ دیئے۔ کسی میں ہے کہ شیطان نے اس ساحرانہ طریق سے یہ کلمات کہے کہ صرف کافروں نے ہی اسے سنا اور مسلمان نہ سن پائے۔ غرض کہ الفاظ روایت میں خاصا اضطراب ہے۔ لہٰذا یہ صرف مرسل، منقطع اور غیر مسند ہی نہیں (بقول ابن کثیر) بلکہ مضطرب بھی ہے۔

ان تمام وجوہ رد کے باوجود احترام روایات کا جو جذبہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، اس نے اتنی جرأت ہی نہ پیدا ہونے دی۔ کہ اس روایت کو صاف صاف لفظوں میں مردود اور ناقابل قبول قرار دے کر الگ کر دیا جائے۔ آخر اس کے دو نتیجے ہمارے سامنے آ گئے۔

ایک یہ کہ بہت سے لوگوں نے اس کی تطبیق اور توجیہ کی کوششیں شروع کر دیں ان میں قاضی عیاض اور لبغوی قابل ذکر ہیں۔ ابن عباس تمنّیٰ کے معنی حدث (گفتگو کی) بتلاتے ہیں (بخاری) اور مجاہد اس کا مطلب قال (بات کی) بتلاتے ہیں یہ دونوں تفسیریں بھی درست ہو سکتی ہیں۔ اور وضعی حدیثوں پر اسے چسپاں کیا جا سکتا ہے جو القائے شیطانی ہے۔

دوسری چیز یہ سامنے آئی کہ اس رد سے بچتے ہوئے بھی آیت کے جو ترجمے یا تفسیریں کی گئیں وہ اس انداز کی ہیں کہ ذہن خواہ مخواہ اسی جعلی شان نزول کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور ایک ذہنی تشویش میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ کی پہلی کڑی لفظ تمنّیٰ اور لفظ امنیتہ ہے جس کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے کہ

جب رسول یا نبی نے تلاوت کی تو شیطان نے اس قرأت میں کچھ ڈال دیا

سوال یہ ہے کہ آخر کیا مصیبت پڑی ہے جو تمنّیٰ یا امنیتہ کے معنی تلاوت و قرأت کے لئے جائیں؟ تمنا کے معنی تمنا کے ہیں اور یہی معنی امنیتہ کے بھی ہیں۔ جو یہاں گویا فعل تمنّیٰ کا مفعول مطلق ہے ہمارے عربی لغت میں بھی ایک عجیب مصیبت یہ ہے کہ اس میں بعض لفظ کے معانی وہ لکھ دیئے گئے ہیں۔ جو بعض روایات کے پیدا کردہ ہیں۔ اور اصل عربی زبان سے ماخوذ نہیں۔ دابۃ الارض ہی کے لفظ کو لے لیجئے۔ لغات میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں۔

حیوانٌ قیل ظھورہ من اشراط الساعۃ

(اقرب الموارد)

ایک جانور ہے جس کے ظہور کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قیامت کی ایک علامت ہے۔

یہ معنی کہاں سے پیدا ہوئے؟ اس کا سرچشمہ وہی روایات ہیں جن کا ذکر آپ ۲۶ مارچ کے طلوع اسلام میں پڑھ چکے ہیں یہی صورت حال بے چارے لفظ تمنّیٰ کے ساتھ بھی ہوئی اگر ان روایات سے پہلے بلکہ خود اسلام سے پہلے کے جاہلی کلام عرب میں یہ لفظ "تمنا" بمعنی تلاوت آیا ہو تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اس کے ساتھ بھی ایک شرط ہے یعنی اس کا انتساب صحیح ہو

کیونکہ بیسیوں اشعار محض استشہاد کے لئے بعد میں بنا لئے گئے جن کا انتساب کسی جاہلی شاعر کی طرف کر دیا گیا ہے۔ جب حضورؐ کی طرف جھوٹی حدیثیں منسوب کرنے میں تامل نہ ہوا تو برجستہ ایک شعر بنا دینے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی؟

اسے بھی جانے دیجئے۔ فرض کیجئے کہ اگر واقعی تمنا بمعنی تلاوت وقرأت بھی ہو تو آخر تمنا بمعنی تمنا لینے میں کون سی چیز مانع ہے کہ خواہ مخواہ ایک بعید معنی کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک ضروری نکتہ پر اور بھی غور فرمایئے۔ اگر ہمارے کانوں میں ان آیات کی آواز آئے کہ

(i) وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله (۴، ۶۴)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے۔ وہ اسی لئے کہ بحکم الٰہی اس کی اطاعت کی جائے

(ii) وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون (۷، ۹۴)

ہم نے جس بستی میں کوئی نبی بھیجا۔ وہاں کے رہنے والوں کی باساء وضراء کے ذریعہ پکڑ کی تاکہ وہ تضرع اختیار کریں۔

(iii) وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری (۱۲، ۱۰۹)

ہم نے آپ سے پہلے جسے بھی رسول بنایا وہ آدمی ہی تھے۔ جو ان بستی والوں میں سے ہوتے تھے۔ اور ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے۔

(iv) وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون (۲۱، ۲۵)

ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس پر اسی حقیقت کی وحی کی کہ میرے (اللہ کے) سوا کوئی بھی نصب العین نہیں لہٰذا میری ہی غلامی کرو

(v) وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ (۱۴، ۴)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا۔

جب ہم یہ آیات سنتے ہیں تو ہمیں ان کے فہم میں کوئی تشویش پیدا کیوں نہیں ہوتی؟ اس لئے کہ کتب سابقہ سے تاریخ سے اور خود قرآن سے اس کی حرفاً حرفاً تائید ہوتی ہے۔ کہ

ہر رسول نے کہا

فاتقوا اللہ واطیعون

(اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو)

ہر رسول کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ اس کی قوم کو باساء وضراء کے جھٹکے دیئے گئے۔

ہر رسول کے متعلق علم ہے کہ وہ اپنی بستی ہی کی خاک سے پیدا ہوا اور وہ انسان ہی ہوتا تھا۔

ہر پیغمبر کے متعلق یقین ہے کہ اس کا پیغام توحید الٰہی ہی تھا۔

ہر رسول کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ اسی قوم کی زبان میں پیغام خداوندی لایا جس کی طرف وہ بھیجا گیا۔

ان تمام حقائق کی تائید قرآن کے اوراق سے کتب سماویہ اور تاریخ کے اسباق سے اتنی واضح، روشن اور مفصل نمایاں ہیں کہ اسے سمجھنے میں کسی کو کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔ کیونکہ یہ سارے حقائق تمام پیغمبروں میں مشترک ہیں، ان آیات کا انداز بیان یعنی وما ارسلنا..... الا...... ہی ایسا ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین کا یہ وضعی اشتراک، مفہوم کو خود بخود واضح کر دیتا ہے۔ لیکن بالکل یہی انداز بیان جب زیر بحث آیت میں آتا ہے کہ

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ... الخ

تو ایسی مضحکہ خیز تفسیریں ہوتی ہیں کہ ناطقہ سر بگریبان ہو جاتا ہے۔ صورت حال وہ سامنے لائی جاتی ہے جو حضور اکرم کے سوا کسی رسول اور کسی نبی کے ساتھ نہیں ہوتی اور سارے قرآن میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ تاریخ اور کتب سماویہ بھی اغلباً اس سے خالی ہیں۔ فرمایئے کس پیغمبر کے ساتھ یہ واقعہ ہوا ہے کہ وہ اپنا پیغام خداوندی سنا رہا ہو۔ اور عین اسی وقت شیطان نے اس کی آواز بنا کر یا اس پر غنودگی طاری کر کے اسی کی زبان پر اس پیغام خداوندی کی نقیض جاری کرا دی ہو۔ جس پر مومن وکافر سب نے "سجدۂ شکر" بھی ادا کر لیا ہو۔ اس لئے کہ ایک ہی مجمع میں اہل ایمان نے تو صرف پیغام خداوندی سنا اور پیغام شیطانی کو صرف اہل کفر سن سکے؟ ذرا تفصیل سے ایک ایک پیغمبر کا نام لے کر بتایئے کہ اور کس کس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا؟ آخر یہ کیا تفسیر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تو فرمائے فلاں واقعہ ہر نبی اور ہر رسول کے ساتھ پیش آیا اور تفسیر یہ ہو کہ بجز حضورؐ کے اور کسی کے ساتھ یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا!

یہ پہلا نتیجہ تو وہ تھا۔ جو لفظ تمنّٰی اور امنیۃ کے لفظ سے پیدا ہوا، دوسرا لفظ جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا لفظ "القاء" ہے (القی الشیطن فی امنیتہ) غالباً اس کا مفہوم وحی کی طرح غیر مرئی القاء یا الہام سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ اس کا مطلب صرف "ڈالنا" ہے اگر اس کا مفعول مذکور ہو تو وہی ڈالی جانے والی چیز ہوگی۔ مثلاً یلقون اقلامھم (اپنے قرعے ڈال رہے تھے) یا القینا بینھم العداوۃ (ہم نے ان کے درمیان عداوت ڈال دی) اگر مفعول مذکور نہ ہو تو قرینے سے سمجھ لیا جائے گا۔ مثلاً قال بل القوا (موسیٰ نے کہا نہیں بلکہ تم پہلے ڈالو یعنی اپنے شعبدے)

اب القی الشیطن فی امنیتہ میں دیکھئے کہ یہاں کیا چیز مقدر ہے جو القی کا مفعول بن سکتی ہے؟ تمنّی کا مفہوم واضح ہونے کے بعد یہ چیز بھی خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔

ایک پیغمبر کی سب سے بڑی آرزو کیا ہو سکتی ہے؟ وہ کس چیز کی سب سے زیادہ تمنا کر سکتا ہے؟ صرف اس بات کی کہ وہ جو مشن لایا ہے۔ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے کامیاب ہو، یہی ہے وہ تمنا جو ایک نبی یا رسول کو بے چین کئے رہتی ہے اور کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی جس میں اس کا دل اس تمنا سے خالی ہو۔ شیطان اس میں کیا ڈالتا ہے؟ رکاوٹیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ مصیبت ہر رسول اور ہر نبی کے ساتھ رہتی ہے۔ کہ جب بھی اس نے اپنے مشن کی تکمیل کی آرزو کی ہے تو شیطانی قوتوں نے اس میں ہزاروں رکاوٹیں پیدا کی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کی ڈالی ہوئی رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے۔

فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن۔ "نسخ" کے معنی ہیں۔ الازالۃ والرفع (مفردات) یعنی دور کر دینا۔

اور پھر؟ ثم یحکم اللہ اٰیتہ اپنی آیات کو خدا اور زیادہ مستحکم کر دیتا ہے۔ صحیح اقدار قائم ہو جاتی ہیں۔ اہل کفر ہلاک ہوتے اور اہل ایمان نجات یافتہ ہوتے ہیں۔

یہ ہے وہ حقیقت جو ہر رسول و نبی کے ساتھ پیش آتی رہی اور سارا قرآن اس کی تفصیلات سے بھرا پڑا ہے۔ کتب سماویہ میں بھی ہر جگہ اس کا ذکر ہے اور تاریخ کے اوراق بھی اس کے گواہ ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری ہی تفسیر سو فیصدی درست ہے، یہ صرف ایک کوشش ہے۔ اپنی اس کوشش کو ہم آخری کوشش کیونکر کہہ سکتے ہیں، جبکہ مفسرین کی کوششوں کو ہم حرف آخر نہیں کہتے آپ بھی کوشش کیجئے، شاید اس سے بہتر معانی بھی مل سکیں۔ ہمارا معروضہ اثباتی نہیں بلکہ منفیانہ ہے۔ یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری ہی تفسیر صحیح ہے ہم اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ تلک الغرانیق العلی والی تفسیر غلط ہے۔ صحیح کی تلاش میں آپ بھی اپنا ارتقاء جاری رکھئے

ہاں ایک شبہ ہماری تفسیر پر ضرور ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن میں جہاں بھی "تمنا" مذکور ہے وہ غیر محمود چیزوں کی آرزو کے لئے ہے اور کسی نبی یا رسول سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ غیر محمود چیزوں کی آرزو کرے۔ اس کا جواب آپ بھی سوچئے۔ اور ہم بھی سوچتے ہیں و سردست تو ہم صرف اسی قدر عرض کریں گے کہ سارے قرآن میں "تمنا" تمنا ہی کے معنی میں آیا ہے۔ لیکن آپ آیت زیر بحث میں اس کے معنی بے تکلف تلاوت وقرأت کے لے لیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں ایک جگہ تمنا کو محمود آرزو کے معنی میں بھی لے لیجئے۔ عربی ادب میں ہم نے بہت جگہ یہ دعا دیکھی ہے کہ اوصلہ الی ما یتمناہ (اللہ اس کی تمنا پوری کرے) ظاہر ہے کہ یہ دعا بری آرزوؤں کے لئے نہیں ہو سکتی۔

کیا علامہ تمنا عمادی پھلواروی مدظلہ بھی اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ اب آیت کا تفسیری ترجمہ ہم یوں کر سکتے ہیں کہ

اے رسول ہم نے آپ سے پہلے جو رسول یا نبی بھیجا ہے تو اس کے ساتھ یہ واقعہ ضرور پیش آیا ہے کہ جب اس نے (اپنے مشن کی تکمیل کی) آرزو (اور اس کے لئے جدوجہد) کی تو شیطان (شیطانی قوتوں) نے اس کی اس آرزو میں رکاوٹیں ڈالیں لیکن شیطان جو رکاوٹیں ڈالتا رہا اللہ اس کا ازالہ فرماتا رہا پھر وہ اپنی آیات کو اور زیادہ مستحکم کرتا رہا اور اللہ تو علیم وحکیم ہے (شیطانی تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے اور حکمت سے ان کا ازالہ فرماتا ہے)

آیت میں رسول اور نبی دونوں کا ذکر ہے۔ جیسا کہ بعض دوسری آیتوں میں بھی ہے۔ یہاں "رسول ونبی" کا فرق ہمارے پیش نظر نہیں لیکن ضمنی اضافے کے لئے اس کا ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ اس فرق کو ہم

یوں واضح کرسکتے ہیں کہ اگر کوئی زید سے کہے کہ تم کو کمانڈر انچیف بنایا جاتا ہے تم فلاں ملک کو جاکر فتح کرلو، تو یہاں ایک تو عہدۂ ومنصب ہوا۔ اور دوسرا اس کا فرض یا ڈیوٹی۔ بالکل اسی طرح نبوت ایک منصب ہے۔ جو صرف حامل وحی کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور رسالت اس کی ڈیوٹی ہے۔ ختم صرف نبوت ہوئی ہے رسالت جاری ہے۔ حضورؐ جن لوگوں کو باہر تبلیغ یا تحصیل کے لئے بھیجتے وہ رسول الرسول کہے جاتے تھے یعنی رسول اللہ کے پیغامبر۔ لیکن ان کو نبی الرسول یا نبی الیستی کبھی نہیں کہا گیا، کیونکہ ان سے پیغامبری کا تو کام لیا جاتا تھا لیکن انھیں نبوت کا منصب نہیں سونپا جاتا تھا۔ نبی کریمؐ کے بعد نبوت ختم ہوگئی لیکن رسالت جاری ہے یعنی اللہ کا جو پیغام حضورؐ لائے تھے اس پیغام کی پیغامبری اب امت کے ذمے ہے۔ حضور رسول اللہ (براہ راست) تھے اور امت رسول اللہ کبھی نہیں ہوگی، صرف رسول رسول اللہ ہوگی۔ طلوع اسلام اپنے آپ کو "نظام ربوبیت کا پیغامبر" کہتا ہے۔ لیکن اگر وہ نظام ربوبیت کا "نبی" بھی کہنا شروع کردے تو پھر دیکھئے اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔ بیچارے مرزا غلام احمد صاحب کو یہ فرق معلوم نہ تھا۔

ہاں تو عرض یہ کرنا ہے کہ نبوت کے علاوہ "رسالت" کے کام میں بھی ہمیشہ شیطانی رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔ آیت زیر بحث میں یہی حقیقت حضورؐ کو بحیثیت نبی و رسول کے اور امت کو صرف بحیثیت رسول رسول (پیغامبر داعی) کے بتا کر ڈھارس دی گئی ہے اور حوصلے کو مضبوط کیا گیا ہے۔

طلوع اسلام جیسا کہ ابن آدم نے لکھا ہے، غرانیق والے قصے کی لغویت خود بتا رہی ہے کہ یہ روایات وضعی ہیں اور حضور نبی اکرمؐ کی ذات اقدس کے خلاف بہت بڑا بہتان۔ لیکن وجہ حیرت یہ بات نہیں کہ دشمنان اسلام نے کس طرح ان خرافات کو وضع کرکے ہماری کتابوں میں داخل کردیا۔ وجہ حیرت یہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھ کر آج جس کا دل دکھے اور وہ کہے کہ اس قسم کی باتیں کبھی رسول اللہ کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں، اسے منکر حدیث قرار دے کر دائرۂ اسلام سے خارج کردیا جاتا ہے اور متبع سنت اسے قرار دیا جاتا ہے جو اس قسم کی باتوں کا بیان جھوم جھوم کر

(۲) ابن آدم نے اس آیت کی جو تفسیر لکھی ہے۔ وہ بھی قرآن کی تعلیم کے مطابق ہے۔ لیکن اگر تمنّی اور امنیۃ کے معنی قرأت کے بھی لیں (جس کی تائید قرآن سے ملتی ہے) تو بھی اس کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے (بشرطیکہ اس "شان نزول" والے قصے کو در انداز نہ ہونے دیا جائے) اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ وحی کے متعلق یہ بتایا ہے کہ ایک رسول آتا، وہ خدا کی وحی لوگوں تک پہنچاتا رہا (اس کی تلاوت و قرأت بھی) اس کے بعد وحی کے دشمن اس کی وحی (آسمانی کتاب) میں انسانی آمیزشیں کردیتے، اور وحی اپنی اصل شکل میں باقی نہ رہتی۔ پھر ایک رسول بھیجا جاتا جو وحی خداوندی کو انسانی آمیزشوں سے پاک اور صاف کردیتا۔ نیز اس میں حالات کے تقاضوں کے مطابق مناسب رد و بدل اور حک و اضافہ بھی کردیا جاتا۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا (۲/۱۰۶) کے یہی معنی ہیں۔ سورہ انعام میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ وحی کے دشمنوں کی طرف سے یہ تحریف، روایت سازی کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ چنانچہ فرمایا۔ وکذالک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا (۶/۱۱۳) اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے جن و انس کے سرغنوں کو دشمن ٹھہرایا۔ جو آپس میں ایک دوسرے کو نہایت خوشنما باتیں سکھاتے تاکہ ان کے ذریعے لوگوں کو دھوکا دیں۔ اگر سورہ حج کی تمنّی والی آیت (۲۲/۵۲) اور اس سے ملحقہ آیات کو سورۂ انعام کی مذکورہ صدر آیت اور اس کی متصل آیات سے ملا کر دیکھیں، تو یہ بات صاف ہوجائے گی کہ دونوں جگہ ان شیاطین کی اس کارروائی کا ذکر ہے۔ ان دونوں مقامات کی آیات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وحی کے دشمنوں کی اس سازش سے ان کا مقصود کیا ہوتا تھا اور یہ بھی کہ اللہ کس طرح ان وضع کردہ روایات کی تنسیخ سے اپنی آیات کو محکم بنا دیتا تھا۔ سورہ حج میں اسے ثم یحکم اللہ آیاتہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور سورہ انعام میں افغیر اللہ ابتغی حکما اور وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلمتہ سے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ کتب سماوی میں یہ تحریف الحاقی اس انداز سے ہوئی۔ جب قرآن کی باری آئی۔ تو اس میں اور سابقہ کتب سماوی میں ایک بین فرق واضح ہوگیا۔ اور وہ فرق ہے ختم نبوت کا۔ یعنی سابقہ کتب سے انسانی تحریفات کو الگ کرنے کے لئے ایک اور نبی آتا تھا۔ لیکن نبی اکرمؐ کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں آسکتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔ اور اس طرح قرآن کے اندر کسی قسم کی لفظی تحریف کی گنجائش نہ رہی۔ اس تحریف کے لئے وحی کے دشمنوں نے مثلہ معہ کا دروازہ کھولا، اور اس کے راستے سے لاکھوں روایات وضع کرکے دین کا جزو بنا ڈالیں۔ اگر یہ روایات قرآن کے اندر شامل ہوجاتیں۔ تو انہیں الگ کرنے کے لئے یقیناً ایک نبی کی ضرورت پڑتی۔ لیکن چونکہ قرآن اپنی اصلی شکل میں موجود ہے، اس لئے ان تحریفات کو غلط بتلانے اور انھیں دین سے الگ کرنے کے لئے کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ ابن آدم کے الفاظ میں یہ کام "رسل رسول اللہ" کے ذریعہ ہوگا۔ یعنی ان کے ذریعہ جو سنت رسول اللہ کے اتباع میں قرآن کو لوگوں تک پہنچائیں۔ اس ضمن میں جس طرح رسول اللہ کی سخت مخالفت ہوتی تھی اسی طرح متبعین رسول اللہ کی بھی مخالفت ہوگی جس طرح حضورؐ کے زمانہ میں مخالفین کہتے تھے کہ لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون (۴۱/۲۶)۔ اس قرآن والوں پر غالب آنے کا طریقہ یہ ہو کہ تم نہ خود قرآن کو سنو نہ کسی دوسرے کو سننے دو۔ جہاں قرآن کی آواز بلند ہو وہاں شور مچا دو۔ چڑیوں کی طرح چیں چیں کرنا شروع کردو، اسی طرح آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے لیکن جس طرح آخرکار انھیں ناکامی ہوئی تھی، انھیں بھی ناکام رہنا پڑے گا۔ اور خدا کی بات پوری ہو کر رہے گی۔

نوادرات

علامہ اسلم جیراجپوری کے مضامین کا نادر مجموعہ

قیمت ——— چار روپے

ناظم ادارۂ طلوع اسلام - کراچی

ہندوؤں کا انخلاء (صفحہ ۲ سے آگے)

ہوتا ہے۔ اس وجہ کے علاوہ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کو یہ ڈر بھی لگا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت ہند ان کا آنا جانا بند کردے جسے وہ پسند نہیں کرتے، کیونکہ تقسیم سے بے شمار خاندان بٹ گئے ہیں۔ چونکہ ان کے کمانے والے زیادہ تر کلکتہ یا مغربی بنگال میں ہیں اس لئے وہ آہستہ آہستہ ادھر ہی آجاتے ہیں نیز انھیں یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ وہ جتنا جلدی ہندوستان پہنچ جائیں گے انھیں بحالی کی رقوم و مراعات فوراً مل جائیں گی۔

ہندوستان میں یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ پاکستان میں معاشی حالات ابتر ہیں اس لئے وہاں سے ہندو بھاگ رہے ہیں اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے ذرا ہندوستان سے پاکستان آنیوالوں کی تعداد پر غور کیجئے۔ اگست ۱۹۵۴ء میں سولہ ہزار افراد مشرقی پاکستان گئے۔ دسمبر میں یہ تعداد بائیس ہزار تک پہونچ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مشرقی پاکستان سے ایک ہندو ہندوستان آتا ہے تو اس کے مقابلہ میں دو ادھر سے آجاتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ بائیس ہزار مسافروں میں سے بیس ہزار ہندو ہیں، اور دو ہزار مسلمان۔ ان ہندوؤں کے پاس ایک ایک سال کا اجازت نامہ ہوتا ہے۔ اگر پاکستان کے حالات تسلی بخش نہ ہوں تو اتنی کثیر تعداد میں ہندو کبھی وہاں نہ جائیں۔ جہاں تک معاشی حالات کا تعلق ہے وہ کوئی ایسے خراب نہیں۔ پاکستان میں چاول چھ سے نو روپے کے حساب سے بکتے ہیں۔ مچھلی مغربی بنگال سے سستی ہے۔ کپڑا مقابلتاً مہنگا ہے مگر ترک وطن کی تازہ تحریک شروع ہونے کے وقت سے سستا ہے۔ پھر معاشی بدحالی ہو تو ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے برابر ہے۔ اس کا اثر تنہا ہندو پر نہیں پڑتا۔

"کلکتہ کے اخبارات کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے تصویر میں یہ نقشہ رکھتے ہیں گویا مشرقی پاکستان میں ہر ہندو مرد ایسے رہ رہا ہے کہ اس کے گلے پر تلوار رکھی رہتی ہے اور اسے ہر وقت جان کا خطرہ لاحق رہتا ہے اور ہر ہندو عورت کے ساتھ ایک مسلمان سائے کی طرح پھر رہا ہے جو اسے اغوا کرلے گا۔ ذہنیت یوں مسموم ہو جائیں تو پھر کیا حل کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ مثال کے لئے "ہندوستان سٹینڈرڈ" کو دیکھئے پاکستان اور ہندوستان کے وزراء نے مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کے بعد اتفاق سے کلکتہ میں دو گھنٹے مسلمانوں کے ساتھ بھی گذار لئے۔ اس سے یہ اخبار آپے سے باہر ہوگیا اور اس نے بڑے غصے سے لکھا کہ مسلمانوں سے مل کر دونوں وزیروں نے پرامن ہندوستان کو جھگڑوں سے بھرے ہوئے پاکستان کی سطح پر لا کھڑا کردیا ہے۔"

احادیث

کے متعلق پوری تفصیل

"مقام حدیث"

میں دیکھئے

کتاب دو جلدوں میں ہے

قیمت فی جلد

چار روپے

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ھیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ھے۔ ظاہر ھے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ھوگا اسی قدر قرانی فکر عام ھوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ھے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماھانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ھوجائے۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم سے ھمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ھوئے تو اب شامل ھوجائیے۔

* پہلے ماھانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ھے۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاھیں وہ دے سکتے ھیں۔

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ھے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ھی برتاؤ کریگا۔
- حساب میں بعض اوقات غلطی ھوسکتی ھے۔ ایسی غلطی باھمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے۔
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے۔ کتابوں کے لئے الگ۔
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ھفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ھفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷۔ کراچی ۔ ۳

دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب

✡ نظام ربوبیت ✡

(از - پرویز)

شائع ہوگئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی رو سے اس زمین پر انسان کے سب سے اہم سوال۔ یعنی

معاشی مسئلہ

کا حل کیا ہے۔ انسانی عقل اس کے حل سے کس طرح قاصر رہی ہے اور وحی خداوندی نے اسے کس خوبصورتی سے حل کردیا ہے۔ رزق کے سر چشموں پر

ذاتی ملکیت

کیا نتائج پیدا کرتی ہے اور قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے۔ چونکہ اس کتاب کی عام اشاعت مقصود ہے اس لئے اسے دو قسموں میں شائع کیا گیا ہے۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش۔ چھ روپے

قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف ڈسٹ کور کے ساتھ۔ چار روپے

دونوں صورتوں میں محصول ڈاک الگ ہے۔

بہت جلد فرمائشیں بھیجیں۔ جن حضرات کی پیشگی رقم جمع ہے اُنہیں قسم اول از خود بھیجدی جائیگی۔ اگر وہ کتاب نہ لینا چاہیں یا قسم دوم لینا چاہیں تو بہت جلد اطلاع بھیجدیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1, Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM